

کشتی نوح



کشتی نوح

مصنفہ

H.C.G. Wells.

مترجمہ

پروفیسر پریم سنگھ ایم اے

قیمت ۱۰/-

کشتی نوح

مصنفہ

ایچ۔ جی۔ ولز

مترجمہ
پروفیسر پیٹم سنگھ ایم۔ اے لاہور

۱۹۴۱ء

قیمت ۱۰/-

تعداد ۵۰۰

باراول

ملنے کا پتہ
پروفیسر مرتضیٰ سگھڑا ایم۔ اے ایم ٹی سی روڈ
لاہور

تہذیب

ایک۔ جی ولز صاحب انگلستان میں عصر حاضر کے ایک مشہور مورخ ہیں۔ 'مختصر تاریخ عالم' آپ کی وہ تصنیف ہے جس نے ابھینا ملکی دنیا میں بطور مورخ کے روشناس کرایا۔ آپ ایک نئے نظام کے حامی ہیں جو اس جنگ کے بعد قائم ہونے والا ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ اس نظام آئندہ کی بنیاد صالح عمومی پر رکھی جائے گی۔ زیر نظر کتاب ایک تمثیل کی شکل میں ہے۔ گویا جس طرح حضرت نوح کے زمانہ میں طوفان آیا تھا۔ آج بھی ویسا ہی طوفان آ رہا ہے جس کیلئے ایک نئے انداز کی کشتی تیار کی جائے۔ تاکہ موجودہ تمدن کے بیچ آنے والے تمدن کے لئے فصل کا کام دیں۔ یہ تمثیل اس قدر دلچسپ ہے کہ شروع کر کے ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ ترجمہ میں سادگی اور عام فہم بنانا کا سہاظر رکھا گیا ہے۔

مترجم

فہرست مضامین

- پہلا باب - ایک دردناک پرانی کہانی نئے انداز میں صفحہ ۵
- دوسرا باب - نئی کشتی پر نیلے رنگ کے نشان ۴۶
- تیسرا باب - ناراضا مند سواریاں ۸۰
-

پہلا باب

ایک دردناک پرانی کہانی تے انداز میں

نوحؑ ابن لک کو تو یوں یقین ہو گیا تھا کہ دنیا بالکل دیوانی ہو گئی ہے اور انسان کی زندگی میں جو چیزیں قابل قدر و قیمت ہیں وہ تباہ ہو رہی ہیں۔ کہیں کہیں دیری۔ دفا اور سخاوت کی جھلک باقی ہے مگر تمام ماحول پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ بھلا یہ صفا اب کس مصرف کی ہیں! زمین پر بارود اور توپیں تباہی مچا رہی ہیں اور آسمان سے ہوائی جہاز آگ برسا رہے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے کہ حکومتیں فوجوں کو اس طرح جنگ میں بھیجا کرتی تھیں کہ سپاہی اچھی طرح مسلح نہ ہوتے تھے اور فوجی افسر بھی کچھ ایسے ویسے ہی ہوا کرتے تھے۔ حکومت سو بہرہ دیتی تھی اور لوگ بیچارے جنگ میں چلے جاتے تھے۔ مگر موجودہ حکومتوں کا کچھ پوچھو ہی نہیں۔ لاکھوں آدمیوں کو جنگ میں دھکیل رہی ہیں۔ بیچارے غریب اندھا دھند جا رہے ہیں۔ اور انجام بھی نامعلوم۔ کون جیتے کون ہارے! آخر کیا ہوگا کون جانے! جلد صردیکھو جنگ۔ ظلم اور تباہی جاری ہے!

aminack

حضرت نوح کو نوح ابن لک کہتے ہیں۔

ابن ملک کو دنیا کی یہ حالت دیکھ کر کچھ عرصے بعد یہ بات ذہن نشین ہو گئی کہ حقیقت میں جنگ ایک بڑی بھاری مصیبت ہے۔ وہ خود ایک بڑا ہی ہوشیار اور کام کرنے والا شخص تھا اور اُسے پورا یقین تھا کہ عالم انسانی ایک نیا نظام قائم کرنے والا ہے اور صلح عمومی قائم ہونے والی ہے اور کمالات انسانی ظہور پذیر ہونے والے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ وہ دیکھ رہا تھا کہ دنیا تباہی اور بربادی کی طرف بڑھ چکی جا رہی ہے اور موت کے مٹن میں جا رہی ہے۔ اُس کی اُمید یاس سے بدل جاتی تھی۔ عقل کہتی تھی کہ مصیبت آنے والی ہے مگر دل نہ مانتا تھا۔ پہلے سے ہی اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جب جنگ سر ہمارے پہنچی تو وہ شدید سارہ گیلہ وہ خود ہی تو بیشکونی کر چکا تھا۔ دل ہی دل میں کہنے لگا کہ انسان عادت سے مجبور ہے۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ ایسی دنیا جس میں انسان اپنی مرضی کا مالک نہ ہو اور کچھ خلق نہ کر سکے بھلا کس کام کی! اب تک تو انسان جوں توں کر کے دن گزارتا رہا ہے مگر اب تو قیامت آگئی ہے کچھ پچھلے زمانوں میں بھی بڑے بڑے آدمی گزرے ہیں اور وہ بھی مرے میں زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ آخر وہ کہاں گئے؟ ہمارا بھی وہی حشر ہوگا۔ طلوع کے بعد غروب لازمی ہے۔ اب کیا ہو سکتا ہے؟ اُس زمانے کے لوگ ان باتوں سے ناواقف تھے اور ہم جانتے ہیں۔ مگر جانتے سے کیا حاصل؟

غرض ان سوالات کا جواب بن نہ پڑتا تھا۔ آخر دوسروں سے کیا کہتا۔ اور وہ بھی کیا کرتے۔ سوچا کہ زندگی کے دن گزار لو۔ آخر اندھیرا تو ہو گا ہی۔ بچا رہو توں کر کے وقت گزارنا تھا۔ مگر اُس کا دل بیٹھا جاتا تھا۔ چہرے پر مایوسی کے آثار نمودار تھے۔ وقت نزدیک آ رہا تھا۔ اگرچہ ابھی آ یا نہ تھا۔ شاید کوئی سچاؤ کی

صورت نکلی آئے۔ مگر اُسے کچھ نہ سوچنا تھا! لکھنے کی میز سامنے تھی۔ مگر کچھ لکھنا نہ تھا۔ مطالعہ کرنے والے کمرے میں مایا تا تھا۔ مگر کچھ نہ پڑھتا۔ وہاں بیٹھا اُس دن کا انتظار کرتا تھا۔ بیچارہ دل کس طرح بہلانا۔ دل تو کسی چیز میں لگتا ہی نہ تھا۔ گھنٹوں بے ہوش سا بڑا دیتا۔ کئی طرح کے خیال دل میں آتے اور جیب ذرا ہوش آتا تو بڑا بیٹھان ہوتا!

اتنے میں کوئی شخص ملاقات کے لئے آیا۔ اُس کی اطلاع کی گئی۔ نہیں معلوم کون تھا۔ خادمہ جسکا نام میبل تھا اپنے مالک سے کہنے لگی۔ صاحب! کوئی شخص نیچے انتظار کر رہا ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک ضروری اور غنیہ بات کہنی ہے۔

ابن لمک نے کہا کہ نام دریافت کرو۔ خادمہ کہنے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کہیں سے بھاگ کر آیا ہے۔ اچھا نام تو پوچھ کر آؤ۔

اجی وہ تو کہتا ہے کہ میں خدا قادر مطلق ہوں اور میں نے زمین اور آسمان کو بنایا ہے۔

مالک نے کہا یہ تو مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ جناب وہ شخص تو ایسا ہی کہتا تھا۔ ابن لمک نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد پوچھا کہ اُس شخص کی ڈاڑھی بھی ہے جناب ہاں۔ ڈاڑھی بہت لمبی ہے۔

~ Mabel

اور کیا آنکھیں نیلے رنگ کی ہیں؟
 جی ہاں۔ بڑی چمکتی ہیں۔
 ابن ملک کہنے لگا بھلا پاگل خانہ یہاں سے کتنی دُور ہے؟
 جناب ابھی دیکھتی ہوں۔
 اچھا میل ذرا پوچھو تو سہی کہ پاگل خانے سے کوئی شخص بھاگ کر تو نہیں
 آیا؟
 ذرا ٹیلیفون پر ڈاکٹر برہنٹ سے بات کرنا اور اُس کی رسٹ لینا اور
 کہنا کہ اگر فرصت ہو تو تشریف لے آئیں۔
 نیچے جا کر اُس شخص سے کہنا کہ ذرا انتظار کرے۔ ابھی تو مجھے اپنا ہی ہوش
 نہیں۔ میں بھلا ملاقاتیوں کو کیا کروں؟
 اتنے میں وہ اجنبی کمرہ میں ہی آن پہنچا اور چپکے سے ایک اونچی آرام کرسی
 پر آ بیٹھا۔ خیرنگ نہ ہوئی۔ ابن ملک نے یہ کمرہ ملاقاتیوں کے لئے رکھ چھوڑی تھی
 اور وہ حضرت اُسی پر آ بیٹھے۔
 یہ شخص حسیم کا بھاری اور بڑی عمر کا تھا اور چہرے سے متانت چمکتی تھی
 مگر تھا ذرا فکر مند۔ سر کے بال بالکل سفید اون کی مانند تھے۔ آنکھیں جیسے میل
 نے بیان کیا تھا چمکتی نہ تھیں۔ اُس نے یہ بات گھڑی تھی اور اُس شخص کی چپال
 دھال سے یہ بھی معلوم نہ ہونا تھا کہ وہ پاگل خانے سے بھاگا ہوا ہے۔
 وہ شخص بڑی سنجیدگی اور دھیمی آواز سے کہنے لگا۔ جناب کا اسم مبارک

نوح ابن مکے کہیں؟

جی ہاں مجھے ابن مکہ کہتے ہیں۔ ساتھ ہی اُسے یاد آیا کہ یہ نام تو تورات میں بھی آیا ہے۔ (حضرت نوح کی طرف اشارہ ہے)

اُس شخص نے پھر دوبارہ اپنے الفاظ کو تولا اور کہا۔ دیکھئے تاریخ کس طرح اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اگرچہ تھوڑا سا فرق پڑ ہی جاتا ہے۔ فرق تو پڑنا ہی ہوا۔ جناب میں نے آپ کا نام ڈاکٹر کمری میں تلاش کیا۔ اتفاق سے مل گیا۔ میں بڑا خوش ہوا۔ ناموں میں مطابقت تھی۔ میں نے آپ کے متعلق دریافت کیا۔ دل چاہا، اہل اور آپ سے سنجیدگی سے بات چیت کروں۔ مجھے ذرا دیر ہو گئی۔ دیر تو ضرور ہو گئی مگر دل کھول کر بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ وقت ضرور ملے گا۔

اتنے میں اُس نے میٹل کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور کہا مجھے ایک راز کی بات کہنی ہے۔ آپ تشریف لے جایئے۔ میٹل وہاں سے نہ ملے۔ بھلا وہ اپنے پتے پیلے مالک کو جس کی وہ محافظ اور دیا بھی تھی کیس طرح ایسے مشکوک شخص کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیتی!

چنانچہ اب مالک نے خود خادمہ سے کہا کہ جاؤ۔ یہاں مت ٹھہرو اور اُس شخص کی طرف متوجہ ہوؤ۔

خادمہ نے خوب غور سے اُس شخص کا جائزہ لیا اور چل دی۔ چنانچہ انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔

یعنی حضرت نوح اور آپ کے نام میں مطابقت تھی ۛ Directory ۛ

(۲)

کچھ عرصہ کے لئے ابن ملک اور وہ شخص ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

اب اُس اجنبی نے کہا۔ جناب آپ کا ایسا خیال کرنا کہ میں وہ قادرِ مطلق خدا نہیں ہوں بالکل بجا تھا۔ اس میں تو شک نہیں کہ میں ایک رنج کے پاگل خانے میں کچھ دیر رہا ہوں۔ میرے متعلق لوگوں کو یہ خیال ہے کہ یہ شخص ایک مہمہ سائبے۔ مگر جناب کو آہستہ آہستہ معلوم ہو جائے گا کہ میں خرابی ہوں اور لازمی طور پر آپ مجھے جان جائیں گے۔ میں نے اپنے آپ کو بہت کچھ روک رکھا ہے اور وہ بھی اراد تھا۔ میں اس کائنات کو درہم برہم کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اسے تو اسی طرح چلتے ہی رہنا ہے۔ مگر کیا کروں حالت بڑی خراب ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ۔۔۔ اتنے میں وہ شخص کھانسا اور ذرا رک گیا۔

پھر کہنے لگا۔ آجکل نوجوانوں میں ایک عام بیماری ہے۔ جناب جانتے ہی ہوں گے۔ اسے خود کشی کہتے ہیں۔ یعنی ٹھک کر یا گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال کر مر جاتے ہیں۔ غرض کسی نہ کسی طرح مر جاتے ہیں۔ میں بھی یہی کام کرنا چاہتا ہوں۔ مگر بڑے پیمانے پر نہیں گویا کائنات میں لپٹ کر خود کشی کروں گا۔ اور یہ سب کچھ میرے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ میرا دل تو بہت چاہتا ہے کہ ایسا کیا جائے۔

ابن ملک نے کہا یعنی یہ سب کچھ ملیا میٹ کرنا چاہتے ہو؟

اُس شخص نے کہا کہ کیوں نہ کروں؟ میں بھی تو کائنات میں ہی شامل ہوں۔ مگر معلوم رہے کہ میں کُل کائنات کو چلا رہا ہوں۔ میں ہی تو وہ علتِ اولیہ ہوں اور مجھے ہی لوگ وہ عظیم ہستی تصور کرتے ہیں جسے خدا کہا جاتا ہے۔ عظیم کو تو جانے دیجئے علتِ اولیہ تو میں ہوں ہی۔

جناب کے دماغ میں اس ختم کا خیال مانہ سبکیگا۔ پس میں اس کے متعلق اور کچھ نہ کہوں گا۔ اگر میں نے اس کائنات اور موجودات کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تو پس یہ ختم ہی سمجھو۔ پھر میں کہاں اور آپ کہاں اور یہ سب کچھ کہاں؟ یہ کائنات تو ختمِ زدن میں ختم ہو جائے گی اور یہ عمل کوئی تکلیف دہ بھی نہیں ہوگا۔ تب ابنِ ملک اے کہا کہ پس اسے ختم کرو۔ ختم کیوں نہیں کرتے ہو؟ وہ شخص بولا۔ ختم تو کر چکا ہوں اور میں خود بھی ختم ہو گیا تھا۔ اب پھر سے آیا ہوں اور اس کائنات کو اور جناب کو اپنے ساتھ لایا ہوں۔

(نوٹ: اب ابنِ ملک اپنے آپ کو نوح کہنے لگا۔)

نوح بولا۔ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔

وہ شخص کہنے لگا۔ دیکھتے کیسے؟

نوح نے کہا۔ کائنات تو ویسی کی ویسی ہی چل رہی ہے۔ اسے ہمیشہ کیسے

ختم کرو۔ میں ہوتا تو ایسا ہی کرتا۔

اُس شخص نے کہا۔ اگر ختم کر دوں تو میں کہاں جاؤں؟ اس کائنات کے سلسلہ

کو تو چلتے ہی رہنا چاہئے۔ بند کیا تو خود بھی گئے۔

نوح نے کہا بھیئ ہم تو پہلے ہی ختم ہو چکے ہیں۔ آپ کے آنے سے پہلے میں

تو مردہ دل لئے بیٹھا تھا۔

اتنے میں نظر اٹھا کر دیکھا تو نوح بڑا ایشیاں ہوا اور کہنے لگا۔ میں یہ کیا کہہ رہا ہوں؟ تب اُس شخص کے مُنہ کی طرف غور سے دیکھا تو دیکھتے ہی خیال آیا کہ یہ نفیس سفید ریش شریف آدمی بلاشبہ معلوم تو خدا قادرِ مطلق ہی ہوتا ہے۔ اُس کا دعویٰ شانہ درست ہی ہو۔ اور انجیل مقدس بھی تو ہمیں اسی طرح بتلائی ہے۔ پھر خیال آیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو ٹیڑھی کھیر معلوم ہوتی ہے۔ آخر یہ بھی مشکل سوال! کہنے لگا۔ اچھا آپ کہتے ہیں کہ بندہ نوح ثانی ہے اور لمک بھی اُسی لمک کی دوبارہ آمد ہی سہی۔ ابھی بات.... مگر.... یہ تو بتلائیے۔ حضرت نوح کی تو بیوی تھی اور میری بیوی تو کئی برس ہوئے مر چکی ہے اور اُس کے تو نہیں لڑکے تھے جن کا نام اسمِ حمام اور یافت تھا اور میرے ہاں تو کوئی اولاد نہیں۔

خدا بولا۔ آپ کہتے ہیں کہ میرے ہاں اولاد نہیں۔ جناب عالی جن کمال اور صداقت سے آپ کتابیں تصنیف کرتے ہیں بھلا وہ اولاد نہ ہوئی تو اور کیا ہوئی اور یہ بات اُس نے اس انداز سے کہی کہ نوح کو بالکل یقین آ گیا۔ مگر....

اتنے میں خدا نے کہا کہ مصنفین کی مثال مچھلیوں جیسی ہوا کرتی ہے۔ وہ پانی کی سطح پر اٹکے دیتی ہیں اور کچھ دنوں میں وہ اٹکے مچھلیاں بن کر دوسری مچھلیوں کے ساتھ آملتی ہیں۔

اے سفید ریش شریف آدمی اپنے آپ کو خدا کہتا تھا۔

تب نوح کہنے لگا۔ میرے دل میں تو بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ میری بیوی میرے گھر میں واپس آ جائے۔ کیا آپ کا یہ مطلب ہے؟ میری حالت نادر کو تو دیکھئے وہ آگئی تو کیا کہے گی؟

خدا نے کہا۔ خاطر جمع رکھو۔ یہ میرا ذمہ رہا۔ اب اگر تمہاری بیوی تمہارے پاس لوٹ کر آئی تو وہ پہلے کی طرح نہ ہوگی۔ بلکہ اصل معنوں میں بیوی ہوگی گھر کا کام کاج کرے گی۔

نوح نے پوچھا یعنی کیا؟ میں سمجھا نہیں۔ آپ کیا کہتے ہیں؟

خدا نے کہا تفصیلات مجھ پر چھوڑ دو۔ میں سنبھال لوں گا۔ میں نے صدیوں سے فرشتے بنا رکھے ہیں۔ ان کے ذمہ کام لگا دیتا ہوں۔ وہ سب کچھ کام کر دیتے ہیں۔ وہ جانیں اور ان کا کام۔ تم جانتے ہو خدا کی کام عجیب ہوا کرتے ہیں۔ یہ تو میرا کام ٹھہرا۔ ہاں مشکلات ضرور پیش آتی ہیں۔

جب نوح نے یہ لفظ سنے تو اُس کا اعتقاد ایسے خدا پر سے بالکل اٹھ گیا اور وہ کہنے لگا یہ بوڑھا شریف آدمی معلوم ہوتا ہے کسی پاگل خانے سے بھاگ نکلا ہے۔ مجھلا یہ فرشتوں کو کیسے بنا سکتا ہے؟ پھر دل میں خیال آیا کہ ابھی پاگل خانے سے کوئی نہ کوئی آنا ہوگا۔ تب تک تو اسے باتوں میں لگائے رکھوں۔ پھر دل میں خیال آیا کہ نہ معلوم یہ شخص خدا ہی ہو۔ کیا عجیب ہے! اس انا چرچاؤ کا کچھ خیال نہ کرتے ہوئے اور اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے خدا نے کہا۔

”جب میں نے کائنات کو خلق کیا اور اپنے آپ کو اُس میں بہیٹ ڈالا اور سب کچھ چھوڑ کر تیار ہو گیا۔ تو میں نے اراداً مستقبل کا خیال ترک کر دیا۔ گویا

یوں سمجھو کہ میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ اب جو ہو سو ہو۔ میں تو آنکھیں بند کر کے
 لحو کرنا ہے کہ گزروں گا۔ جب تک میں ہوں تب تک بھلا ہمہ بین کیسے ہو سکتا
 ہوں۔ علمائے دین نے تو مجھے ہمہ بین کہہ رکھا ہے۔ یہ ان کی حماقت ہے۔ وہ جاہل
 مطلق بھلا کیا جانیں! یہ بات تو عقل کے منافی ہے۔ اگر عالم وجود ساکت ہوتا
 تو خدا ہمہ بین ہو سکتا تھا۔ یعنی اگر کوئی ہمہ بین ہو تو جو کچھ حال میں ہو رہا ہے
 اُسی کو تو دیکھ سکیگا اور اُس کو پوری طرح دیکھ لیا تو پھر آئندہ کوئی واقعہ کس
 طرح ہو سکیگا؟ ایسا خدا پھر زندہ خدا کیسے ہوا؟ زندگی کے بعد تو موت ہوتی ہے
 مگر میں تو زندگی چاہتا ہوں۔ کچھ نئی بات ہونی چاہئے۔ مگر مجھے تو ناامیدی اور
 یاس ہی دکھائی دیتی ہے۔ میں نے خیال کیا تھا کہ کائنات مجھے نئے کرشمے دکھائی
 رہے گی۔ اُس میں کوئی بہشت بریں ہوگا اور اُس میں محبت کا مظاہرہ ہوگا۔ ہم
 عاشق کے لئے ایک مشوق ہوگی اور ان کا آپس میں پیار ہوگا۔ میں نے خیال
 کیا تھا کہ یہ میری ایک لاجواب ایجاد ہوگی۔ میں نے اسی لئے حضرت انسان کو خلق
 کیا۔ پہلے وہ اکیلا تھا۔ تو رہین میں کہانی کچھ صاف نہیں بتائی اور لوگ بھی اُسے
 سمجھ کر نہیں پڑھتے۔ وہ اُسے مقدس کتاب سمجھ کر سب کچھ سچ ماننے لگتے ہیں۔ مگر
 ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ مجھے اس قسم کے پاکبازوں سے نفرت ہے۔ وہ جب دعا
 کرتے ہیں تو یہی چاہتے ہیں کہ کوئی خارق العادات بات ان کے مفاد کی ہو۔ میں
 ایسوں سے بھلائی نہیں کرتا۔ بھلائی کب اس قسم کی دعا میں قبول کرتا ہوں۔
 جب دعا قبول نہیں ہوتی تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ خدا ہمارے آزمائش کر رہا
 ہے آدم کی طرف اشارہ ہے۔

ہے۔ اور وہ پہلے سے بھی زیادہ عاجزی دکھاتے ہیں۔ انہوں نے مجھے کیا سمجھا ہے؟ میں کب ایسی ریاکاری کو پسند کرتا ہوں! وہ میری مقدس کتاب کو پڑھتے بھی تو نہیں۔ یہ بات وہاں صاف کر دی گئی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اُسے خود سے پڑھا جائے۔ میں تو راست بازوں کو پسند کرتا ہوں جو میرے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ کتاب مقدس تو بار بار یہی کہتی ہے۔ بھلا چاہو سی کرنے سے کیا حاصل؟ انسان کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا چاہیے۔ معلوم تو ہو کہ انسان ہے۔

خیر اب حضرت آدم کا قصہ سنئے۔ میں نے اُسے مرد اور عورت بنایا اور وہ اکیلا تھا۔ یعنی اُس کی شادی نہ ہوئی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ میرے بہشت (باغ عدن) کی سیر کرے اور مستحجب ہو۔ کچھ عرصہ تک ایسا ہی ہوا۔۔۔۔۔

وہ بوڑھا شریف آدمی تب ذرا سوچ میں پڑ گیا۔
نوح نے پوچھا کہ آیا یہ بات درست ہے کہ آپ نے اس دنیا کو ۴۰۰۰ قبل از مسیح تخلیق کیا؟
خدا نے کہا۔ کیوں نہیں۔ درست تو ہے!

نوح نے کہا۔ مگر۔۔۔۔۔
خدا نے کہا اب اس میں اگر مگر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس میں مشکل ہی کیا ہے؟ میں اس کائنات میں پڑنا ہوا ہوں اور یہ نظام جاری ہے اور چلتا ہی رہے گا۔ گویا مستقبل (یا آنے والا زمانہ) بھی موجودات میں داخل ہے۔ جس کائنات کی میں علت اولیہ ہوں وہ کیونکر متحرک نہ ہوئی؟ ذرا سوچو

تو سہی یعنی جب کائنات اور میں ہستی میں آئے اور موجود ہوئے تو اس وقت (۴۰۰۴ قبل از مسیح) لازمی طور پر ہم لامتناہی ماضی یعنی گزرے ہوئے زمانہ کو اپنے ساتھ لے کر آئے۔ اگر ایسا نہ کرتے تو اور کیا کرتے! درختوں کو دیکھو جتنے ان میں چکر ہوں اتنے ہی سال ان کی عمر ہوگی۔ پودوں کو دیکھو پھول پھل اور بیج برابر نکلتے ہی رہتے ہیں۔ حضرت آدم کے بھی ایک ناف ہے جس سے مراد ماں ہے۔ یعنی منبع خلقت۔ کبھی آپ نے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا؟ یہ کائنات کس طرح چلتی اگر اسے چلایا نہ جاتا۔ یہ بات میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔ اور ایسے ہی ہونا تھا۔ اور کوئی طریقہ نہ تھا۔ یا یوں سمجھو کہ اگر میں اور آدم اور یہ ساری کائنات مستقبل کی طرف متوجہ نہ ہوتے تو یہ ماضی کہاں سے ہوتا۔ میں نے اس معاملہ پر خوب غور کیا۔ اسی لئے میں نے سب سے پہلے یہ کلمہ کہا کہ "نور ہو جا" اور ہو گیا۔ کتاب مقدس تو بالکل درست کہتی ہے۔ گہرے بات صاف نہیں کرتی کہ جو نہی نور ہوا ساتھ ساتھ سایہ بھی نمودار ہو گیا۔ چنانچہ بوڑھا شریف آدمی ذرا چپ سا ہو گیا۔ اور کہنے لگا سایہ تو نور کے ساتھ ساتھ ہی ہونا ٹھہرنا۔ یہی تو سبکی جو سب سے بڑا فلسفہ دان ہے کہتا ہے۔ کہ کوئی چیز بغیر اس کی ضد کے نہیں ہوا کرتی۔ میں اس کائنات میں ایک شخصیت بن کر موجود تھا تو لازمی طور پر میرا سایہ بھی ایک شخصیت ہی ہوئی۔

Mother "Gosse's Omphalos" Bible

Hegel سے مراد شیطان ہے

چنانچہ خدا کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے اور وہ کہنے لگا کہ
سایہ تو مجھے بڑا ہی دق کرتا ہے۔ پورا شیطان ہے۔ کتاب مقدس میں پیدا نش سے
لے کر باقی ساری کہانی اس بات کی شاہد ہے کہ میں آدم کی راحت اور فلاح کے
لئے کوشاں تھا۔ مگر شیطان ہمیشہ اپنے منصوبے باندھتا ہی رہا۔ چنانچہ اُس
بوڑھے شریف آدمی کو اس قدر غصہ آیا کہ وہ آگ بگولا سا ہو گیا اور ایسا معلوم
ہوتا تھا جیسے موسم گرما میں بادل گرہتے ہوں اور بجلی چمکتی ہو۔ مگر پھر مطلع صاف
ہو گیا اور کہنے لگا میرا غضب دیکھا!

خدا نے کہا۔ پہلے میں اس سایہ کے ساتھ سلجھ لوں پھر کچھ کام کروں گا۔
اسی لئے تو میں اس کائنات کا خاتمہ نہیں کرتا۔
نوح کہنے لگا۔ جو جی چاہے سو کیجئے۔ آپ مالک ہیں۔

(۳)

بوڑھا شریف آدمی اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ سایہ تو
ہمیشہ میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔ اور یہی کہتا رہتا ہے کہ اگر آپ ایسا کرینگے
تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔
وہ بہشت کا باغ تو بس شتم ہو گیا۔ کیونکہ اگر یہ سلسلہ جاری ہی رہتا ہے
تو ایک کے بعد دوسری چیز کا آنا لازمی ہو جاتا ہے۔ ہاں مگر جو چیز دوبارہ آتی ہے
پہلی سے ذرا مختلف ہوا کرتی ہے۔ فرق تو لازمی کھڑا۔ چنانچہ زبور میں لکھا
ہے ”بر صبح نئی محبت“ ایسا تو ہونا ہی چاہئے۔ جو لوگ آگے بڑھ رہے ہوں کب
تک پرانی چیزوں کو پسند کرتے رہیں گے۔ آخر ان کی دلچسپی کے لئے کوئی نئی چیز بھی

تو چاہیے۔ دنیا تو امید پر قائم ہے۔ مثلاً بچے تو پیدا کر لے ہی ہوئے۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے بہشت کا باغ۔ بچوں سے بھر گیا۔ جب میں کہتا تھا "محبت" تو میرا سایہ پکڑا اٹھتا تھا "شہوت" لوگوں کو کھانا پینا اور بچے پیدا کرنے بھی کھسکے۔ میں درندے بنانا تھا اور آدم انہیں ہاتھ لگاتا تو وہ دانت دکھاتے تھے۔ ایک دن شام کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ میں باغ میں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اُفتق بہت ہی روشن ہے۔ ایک رنگ آتا ہے اور دوسرا جاتلا ہے میرا دل نہایت ہی خوش ہوا۔ ایک دلفریب لفظ تھا۔ مگر میرا سایہ یعنی شیطان وہاں بھی اپنا کام کر رہا تھا۔ اُسی دقت ایک بی مُنہ میں چڑیا لے میرے پاس سے گزری۔ میں نے آدم اور حوا کو باغ میں سے بلا بھیجا۔ حوا کو میں نے آدم کا دل بہلائے کے لئے پیدا کیا تھا۔ وہ دونو ایک جھاڑی کے نیچے سے نکلے۔ اور بڑے شرمندہ تھے۔ اور انہوں نے انجیر کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو ڈھانپا ہوا تھا۔

مجھے اُن پر پڑا ہی غصہ آیا کہ میں نے اُن کے رہنے کے لئے ایسا خوش مقام منتخب کیا تھا۔ انہوں نے اُسے بگاڑا۔ اگر وہ سایہ مجھ سے اُلجھتا تو اور بات تھی۔ وہ تو میری پُشت پر آدم اور حوا کے پاس چاہنے پیا اور اُن بیوقوفوں نے اُس کی بات سن لی۔ اور غضب ڈھایا۔ میں کھاف طور پر اُن سے کہہ رکھا تھا۔ کہ زندگی کے رفعت کے نزدیک نہ جانا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو اور اُن کو اور سب کا بُرائی کو دم بھر میں ملایا میٹ کر دوں۔ مگر مشکل تو یہ تھی کہ میں خود اُس میں پٹ رہا تھا۔ میری بھی شخصیت تھی اور میرا سایہ جو میرا دشمن تھا اُس کی بھی شخصیت تھی۔ مجھے غصہ آگیا۔ میر نے سایہ سے کہا کہ جلو کہاں جاتے ہو۔ بھلا کرو تو سہی کچھ! میں نے خوب سُنا ہیں اور آد

اور حوا کو بھی اُڑے ہاتھوں لیا اور زمین کو بھی گالیاں دیں۔ یس مسیح حج بڑا غضب ناک تھا۔ . . . تب ہی تو مجھے گناہ اور موت خلق کرنے پڑے اور یہ رنج اور الم ظہور پذیر ہوا۔ اُس وقت سایہ ٹوٹا خوش ہوا۔

حب میرا قصد ڈرا ٹھنڈا ہوا اور میں ہوش میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت آدم جس کو میں نے اپنی صورت میں بنایا تھا اور جو میرا ہی پروردہ تھا زمین کھود رہا ہے۔ گویا وہ ایک معمولی ناتما شبیدہ کاشت کار کا کام کر رہا ہے اور اُس کی بیوی حوا بیٹھی کھانا پکا رہی ہے اور چرخہ کات رہی ہے اور اُن کے بچوں کی حالت تو ناگفتہ بہ تھی۔ یا نکل بے سمجھ اور اُجڑ تھے۔ بس باغ عدن کا یا کل خاتمہ ہو گیا اور برقعہ ختم ہوا۔

چنانچہ وہ فوراً حوا کے آدمی کرسی کے بازو پر ہاتھ مارتا مارتا تھا اور گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ بس یہاں تو یہی حال بہنہ ہے۔ ذرا حضرت آدم کو اپنے پاؤں پر گھڑا کیا۔ پھر دیکھو تو لڑکھڑاکر گر پڑا ہے اور یہ گرنا بھی اخلاقی اور مادی اعتبارات سے! میں پھر قادر مطلق خدا کھوڑا ہی رہا۔ کھیل کود میں گیند کھیلنے والا بھوکرا ٹھہرنا۔ یہ سب کچھ کتاب مقدس میں لکھا ہوا ہے۔ میں نے اپنی طرف سے تو نہیں گھڑا!

غرضیکہ وہ میری کتاب بڑی مستند ہے۔ اس طرح کی مکمل تاریخ کہاں مل سکے گی؟ ہاں چونکہ مختلف زبانوں میں تلپند ہوئی ہے شاید کچھ خامیاں رہ گئی ہوں۔ تاریخیں ذرا کڑا کر رہیں۔ مثلاً بعض بزرگوں کی عمر مبالغہ آمیز ہے۔ مگر میں

ایک کھیل کا نام ہے - Skittle alley

عام اصول بیان کرتا ہوں جو قابل عمل ہوں۔ بعض خیال تو عجیب تھے۔ کون حساب کرتا؟ آپ مانیں یا نہ مانیں۔ میرا لکھا ہوا کبھی تصحیح کے لئے میرے پاس نہیں آیا۔ مگر میرے کلام کے حقیقی ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بنی نوع انسان کی ایسی نکل تاریخ اور کہیں نہیں مل سکے گی۔ شاید تم کہتے ہو گے کہ بہت سی باتیں ناقابل یقین ہیں اور ہمیں ماننی پڑتی ہیں۔ کچھ خامیاں دیکھ کر تم خیال کرنے لگتے ہو کہ شاید اصل اور نقل میں فرق ہے۔ ہو سکتا ہے۔ مگر کہانی تو قابل یقین ہے۔ ممکن ہے کہیں کسی بیٹی کی گئی ہو۔ مگر بالکل غلط تو نہیں۔ ذرا غور کرو۔

اتنے میں خدا کا چہرہ تدریک ہو گیا۔ گرج کی آواز آئی اور غضب ناک لہجے میں کہنے لگا۔ کتا بوں کے شائع کرنے والے اور ترجمہ کرنے والے اور تنقید کرنے والے سب شیطان کے بچے ہوتے ہیں۔ نوح سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم بھی تو کتا ہیں کہتے رہے ہو۔ وہ سب شیطان کے ہاتھ میں پٹی جاتی ہیں۔

نوح نے جواب میں کہا۔ یہ تو سچ ہے۔ میں تو کتا ہیں لکھتے والے شیطان کے

بچے ہی!

خدا نے کہا۔ میں نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا تھا۔ دراصل ہوں تو میں سحرل خدا! مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ سب کام اٹٹا ہو جائے گا اور لوگ مجھے ہی اُلٹو بنائیں گے۔ میں تو اول سے آخر تک اُن پر بھروسہ کرتا رہا اور کہتا رہا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا۔ لوگ کہتے تھے کہ خدا "محبت" ہے۔ میرے خیال میں تو وہ "امید" ہے۔

نوح نے خیال کیا کہ یہ بحث (مسئلہ زیر نظر) ہے تو بڑی دلکشی دکھائی

شمار اسکو سمجھ نہ سکے۔ اس لئے انہوں نے کچھ کا کچھ بنا دیا۔

(۴)

بوڑھے شریف آدمی (خدا) نے کہا کہ میں کئی بار کوشش کر چکا ہوں کہ یہ آدمی انسان بنے۔ مگر وہ تو شیطان کے پیچھے ہی چاگتا ہے۔ میں تو تجربہ ہی کرتا رہا جاتا ہوں کہ آخر اسے کسی طرح نجات ملے۔۔۔۔۔ پہلے میں نے ایک قوم کو چنا اور ابراہم کے سپرد کیا۔ ابراہم سے اس کا نام ابراہام میں بدل گیا۔ میں ہمیشہ ایسا ہی کرتا ہوں۔ لوگوں کے نام بدل دیتا ہوں۔ مگر کیا فائدہ؟ مجھے کیا معلوم کہ میرا وہ دشمن یعنی وہ سایہ ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ ابراہام کی اولاد میں یعقوب کو کھڑ کر دیا۔ مجھے پتہ تو چل گیا۔ اصحاق تو بالکل مجھے پسند نہ تھا۔ وہ تو اپنے بوڑھے باپ ابراہام سے بالکل مختلف تھا۔ ہاں جس کے خاندان میں اصحاق ہو، خود تو طرّا شریف آدمی تھا۔ میں نے تو ابراہام سے کہا تھا کہ اس لڑکے کی قربانی دے دو اور کام ختم کر دو۔ مگر بعد میں میں ہی کچھ ڈھبلا پڑ گیا۔ میں نے کہا جلے دو۔ سو اصحاق بچ گیا اور اس کے ہاں دو لڑکے ہوئے جو جوڑے تھے مگر ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ میں تو ہمیشہ دل کا صاف رہا ہوں۔ پھر وہ رقیقہ والا قصہ ہوا۔ وہ تو بہت ہی دھوکہ دینے والی عورت اور جھوٹی عورت تھی۔ حیرانی تو یہ ہے کہ اس نے اس پر اکتفا کی۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں نے جو ابراہام سے عہد کیا تھا اسے کس طرح سے ان لوگوں نے توڑا؟ یہ سب قصہ تو کتاب مقدس میں آیا ہے۔ ان سب بزرگوں کے ہاں یہاں ہوتی تھیں۔ سارا۔ رقیقہ۔ راحل اور سب کے ہاں اولاد بھی ہوتی تھی۔ مگر جب بچہ پیدا ہوتا تو ساتھ کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور ہوا کرتا تھا۔ اور کچھ کا کچھ ہو جاتا تھا۔ ذرا

of Abel son of Adam

Rebecca Sarah Rachel

غور سے پڑھو تو سب پتہ چل جائے۔ سب ذکر کتاب مقدس میں ہے۔
جب بینل کے متعلق میرے عہد کا ذکر آیا تو معاملہ بالکل یکسر گیا۔ میں تو اپنے
عہد پر قائم رہا اور میں نے کہا کہ یعقوب کی اولاد ریت کے ذروں کی طرح پھیل
جائے گی۔ اور ہوگا بھی وہی۔ میں نے اُس کی اولاد کو چنا اور اُس کا نام بدل دیا اور
بنی اسرائیل رکھا۔ یعقوب اسرائیلی تو تھا ہی۔ وہی کمینہ بن اور ناجار ہی آیا یہ
لوگ دراصل ابراہام کی اولاد میں سے تھے یا نہیں کیا معلوم۔ بعد میں ابراہام نے
قطورہ سے شادی کر لی۔ یہ عورت جوان تھی۔ اولاد بہت ہوئی مثلاً مدیان وغیرہ
وغیرہ۔

مگر اسرائیلیوں کا کیا کہوں۔ میرے برگزیدوں میں سے تھے۔ انہوں نے میری
جُبری حالت کی۔ پہلے میں نے انہیں مصریوں کی غلامی میں بھیجا۔ پھر وہاں سے چھڑایا۔
ایک پیغمبر کے بعد دوسرا بھیجا کہ ان کو آگاہ کرے اور سزا دے۔ مگر ان پر کچھ بھی اثر
نہ ہوا۔ پھر میں نے مسیح کے آئے کا خیال ان کے سر میں ڈالا اور ساؤل نبی نے اُس
خیال کو مضبوط کیا۔ بس اسی طرح سے ہوتا رہا۔ میں نے وہاں بھی بھیجا اور سخت
سے سخت عذاب نازل کئے خود نبیب کے پردے میں چھپا رہا۔ مگر میں نے مکمل نیا ہی
اور رہا دی لانے کی کوشش نہیں کی۔ کچھ ایسا واقعہ ہو جاتا کہ میں ترک جاتا۔ عین
وقت پر۔ نیچے ایسا احساس ہوتا کہ کوئی کامل انسان ضرور میری مدد کرے گا اور میرا
ہاتھ پکڑے گا۔ میں نے خیال کیا کہ اب وقت نزدیک آ گیا ہے۔ چلو ایک بار اور دیکھ
لوں کہ کیا ہوتا ہے؟

ۛ Borhal ۛ keturah ۛ Saul

پہلے بھی آپ کے ہمتا م نوح ابن ملک کے زمانے میں ایسا تجربہ کیا گیا تھا۔ اب بھی کر کے دیکھ لیں میرا ارادہ ہے کہ کل کائنات کو مع عالم انسانی غارت کر دیا جائے اور جہنم اس غارت گری اور خون خرابہ کے ذمہ وار ٹھہرائے جائیں اور کام ختم ہو۔ اتفاقاً مجھے آپ کا خیال آیا۔
نوح نے کہا۔ درست ہے۔

خدا نے کہا۔ تو میری تجویز یہ ہے کہ میری مدد سے اور میری زیر نگرانی آپ ایک کشتی تیار کرائیں۔ نوح ابھی کچھ کہنے کو ہی تھا کہ خدا فرما کر اٹھا کہ نصیلاً فی الحال رہنے دیجئے۔ میری تجویز یہ ہے کہ میری مدد سے اور میری ہدایت کے مطابق آپ ایک کشتی تیار کر لیں اور وہ کشتی جو آب کے بستے بالکل ایک کامیاب کشتی ہو۔ ہم اُس کشتی میں جو کچھ اس دنیا میں رکھ لینے کے قابل ہوگا اور جو پھر سے پیدا ہونے کے نمونہ کے طور پر رکھ لیں گے۔ مثلاً حیوان اور ہر درے۔ صنعت و حرفت۔ بڑی بڑی ایکادیں۔ نئی مسنوعات۔ علم و ادب وغیرہ۔ ہم ان چیزوں کو بڑی احتیاط سے انتخاب کریں گے اور دیکھ لیں گے کہ نہایت ہی عمدہ ہوں۔ گویا موجودہ تمدن کے بیج آنے والے تمدن کے فصل بننے کے لئے کشتی میں ڈال لیں گے اور چل دینگے جب یہ جنگ و جدال کا طوفان بدتمیزی ختم ہو جائے گا اور لڑائی کا تعلق دور ہو جائے گا۔ ہماری کشتی ارا لاط پہ جائے گی۔ تب آپ سب ایک نئی اور پاک و صاف دنیا میں جا پہنچیں گے۔

نوح نے کہا کہ کیا ہم سب لوگ پہنچ جائیں گے؟

Ararat

خدا نے کہا کہ ہاں تم اور تمہارے بچے اور تمہارا خاندان تمہاری بیوی جو مجھے مل گئی ہے اور ستم۔ حاتم اور یافت اور ان کی بیویاں اور بچے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ صرف نام تبدیل ہو گئے ہیں ورنہ تمہارے ہمنام نوح ابن ملک کا خاندان تو دیسا کا دیسا ہی موجود ہے۔ اچھا تو یہ ہے کہ مشابہت کمال کی ہے اسی لئے تو میرا دل چاہتا ہے کہ بس طوفان

نوح بول اٹھا ایسا نہ کیجئے۔

اور وہ اس زور سے چلا یا کہ سچا خدا بھی ڈر گیا۔ ایسا ہرگز نہ کیجئے۔ خدا نے کہا۔ بھلا یہ کیا۔ ایسا کیوں نہ کروں؟

نوح نے کہا۔ آپ ایسا کریں گے تو میری شامت آجائے گی۔ اگر میری جہنمی بیوی لوٹ آئی تو میرا کشتی کے ساتھ کچھ تعلق نہ ہوگا! میں ایسی کشتی سے باز آیا۔

(۵)

تب خدا نے ایک دھیمی آواز میں کہا۔ مجھے تو کبھی خیال تک نہیں آیا کہ آپ اس قدر انتقام لینے والے شخص ہیں۔ مجھے تو بڑی حیرت ہوئی۔

نوح نے کہا کہ بے شک۔ مگر اب تو آپ کو پتہ لگ گیا۔ بھلا آپ کو میری بیوی کی خصلتوں کا کیا علم تھا؟ آپ عورتوں کے متعلق بہت کم واقفیت رکھتے ہیں۔

آپ اس قدر سادہ لوح ہیں کہ آپ نے صرف سانسہ۔ رابطہ اور راجل جن کے الیہ مشکوک تھے ان ہی کا ذکر کیا ہے۔ آپ کی اپنی سہ گو نہ (نشیت) تو میرے خیال میں مذکور ہے نا۔ ہاں جو کچھ آپ نے مریم کنواری کے متعلق بتایا ہے وہ کچھ

نیا سا ہے۔ لوگ اس خیال کو دہم سمجھا کرتے تھے۔ کتاب مقدس دے حضرت نوح کی بیوی کے متعلق کیا کہا جاسکتا ہے؟ اُس کا ذکر خیر صدیوں سے اسی طرح چلا آ رہا ہے۔ کسی نے اُنھلی تک نہیں اُٹھائی۔ مگر میری بیوی تو ایک مشفق مزاج عورت تھی اور اس قدر بد طبیعت اور شلوخ تھی کہ پناہ سجدا۔ نہیں سال تک متواتر مجھے طعنہ دیتی رہی اور توہین آمیز گفتگو اور کالیاں تو اُسکا معمول تھا۔ بالکل کوئی بات مانستی ہی نہ تھی اور کبھی چپ نہ بیٹھتی تھی۔ آخر وہ چلی گئی اور مجھے اُسے طلاق دینا پڑا۔ میں اس قدر تنگ آ گیا تھا کہ میں نے پھر دوبارہ شادی کر لے کا کبھی قصد ہی نہیں کیا۔ وہ بوڑھا نضر علی آدمی کہنے لگا کہ میرے فرشتے مجھ سے کہتے تھے کہ آپ کی بیوی تو بڑی ہوشیار تھی اور بعض نے تو اُس کی بڑی ہی تعریف کی۔

نوح کہنے لگا۔ بھلا فرشتوں کو اتنی تمیز کہاں؟ وہ تو آج بنے اور کل غائب یہ سب دکھلاوا تھا۔ کہاں کی بیانت! وہ عورت عجیب پستے باز تھی۔ ادبی اداروں میں جاگستھی۔ تلمذ میں۔ تبصرے اور تنقیدیں گھڑ لیتی۔ کوئی جوان مصنف مل جاتا تب اُس کے ساتھ چل دیتی۔ کہتی تھی ایسے شخصوں کی ہمت افزائی کرنی چاہیے۔ جب میں کچھ ادبی کام کرتا تو وہ حسد کے مارے جل مرتی اور خود اپنے آپ کو بطور مصنف پیش کرتی۔ بھلا یہ کوئی بات ہوئی؟

خدا نے کہا کہ اگر آپ کے ہاں کچھ ہونے لے تو شاید۔۔۔۔۔

نوح نے کہا۔ کچھ کہاں سے ہوتے۔ طبعیں تو بالکل مختلف تھیں۔ وہ ہمیشہ کہا کرتی تھی کہ اُس کے جذبات لا محدود ہیں اور وہ کیا کچھ نہیں کر سکتی۔ مجھے ایسی باتوں سے بڑی نفرت تھی۔

نوح ذرا سوچ میں پڑ گیا اور کہنے لگا۔ ایسے ناگوار تجربات کو دہرانے یا یاد کرانے سے کیا حاصل؟ اب تو وہ جانتی رہی اور خدا کرے کچھ کبھی واپس نہ آئے۔
خدا نے نوح کے غضب کا مشاہدہ کیا۔ اور بہت سی ناقابل یقین باتیں بھلیں اس کی سمجھ میں آنے لگیں اور اُس نے نوح سے پوچھا:-

ماتا کہ آپ کا اور آپ کی بیوی کا مزاج مختلف تھا۔ مگر آپ اس بات کو تو قبول کرتے ہیں کہ آپ کی بیوی نہایت ہی خوشن طبع اور بڑی ہوشیار تھیں۔ اُس کے مزاج میں عورتوں کی سی کم طرفی تو کتنی یگم تیز بھی تھا۔

تب ہی تو آپ میں اور حضرت نوح میں اتنی مطابقت دکھائی دیتی ہے۔
مجھ میں اور حضرت نوح میں! مگر کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت نوح کی بیوی تو بالکل خاموش رہتی تھی۔

خدا نے کہا۔ درست ہے۔ حضرت نوح کی بیوی بلا شبہ نہایت ہی پاک دامن تھی اور یہ چار ہزار دوسو سالوں سے برس کا واقعہ ہے۔ (یہ بات خدا نے نہایت متانت اور آہستگی سے بیان کی اور بیان کرتے ہوئے ایک ہاتھ کی انگلی کو دوسرے ہاتھ کی انگلی پر مارا) بے شک بچوں کے پاس جو کشتی کا کھلونا ہوتا ہے اُس میں بھی حضرت نوح کی بیوی کو پڑا ہی خوبصورت مگر سادہ پوشاک میں دکھایا گیا ہے۔ اور لڑکی بھی ایسی بہنائی گئی ہے جس طرح ایک عزیز اُستانی ہونے پر خاندان پر محنت کے نشان ہیں۔ اگرچہ وہ پوڈر نہ لگاتی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اُس کے ساتھ پورا پورا انصاف نہیں کیا گیا۔ کتاب مقدس میں تو صرف واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ وہاں معنی ٹھوسے ہی سمجھائے گئے ہیں۔

دین اور پیغمبر اکثر فالتو باتوں سے اذیتا ہوا کیا کرتے تھے۔ مگر آپ کی بیوی کی اور بات تھی۔ آپ جانتے ہیں۔ کاش کہ لوگ کتاب مقدس کو غور سے پڑھتے!

نوح نے جواب میں کہا کہ ہر مصنف یہی چاہتا ہے۔ اچھا حضرت نوح کی بیوی کے متعلق کچھ کہیے۔

خدا نے کہا کہ میں نے کچھ واقعات بیان کئے ہیں۔ اُن سے تو ہر بات ثابت اور ظاہر ہے۔ ذرا غور کیجئے۔ ایک تو اُن کے تین بیٹے تھے۔ ایک کا رنگ تو بہت ہی کالا تھا اور اُس کا نام حام تھا۔ دوسرا ذرا سالوے رنگ کا تھا اور اُس کے بال سیاہ اور گھنگے لائے تھے۔ ناک پتلی تھی اور اُسے ستم کہتے تھے۔ تیسرا لڑکا یافتہ تھا جو نہایت ہی خوبصورت تھا۔ وہ ایسا سلوم ہوتا تھا کہ کسی شکاری قوم کی نسل سے ہے۔ یوں سمجھو کہ اُن میں سے ہر ایک بنی نوح انسان کی کسی نہ کسی نسل کا نمائندہ تھا۔

حضرت نوح خود آپ کی طرح برے ہی متین اور پاکیزہ تھے۔ اور صفاتِ کاملہ متصف تھے۔ اگرچہ آپ ماشاء اللہ ہر فن مولا ہیں!

نوح نے کچھ سہرا دہری سے جواب دیا۔ درست ہے۔ آپ کے فرشتے اس بات کو دریافت کر کے آئے کہ میری بیوی کسی لحاظ سے مجھ سے کم نہ تھی۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ میں اُسے پھر گھر واپس آنے دوں اور اُسے اور جو کچھ اُس پر فانی کشتی میں تھا یعنی اُس کے بچے وغیرہ وہ بھی اس نئی کشتی میں داخل کر دیتے جاؤں جناب الہی! یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔

خدا نے کہا کہ آپ اپنی بیوی کو نہیں جانتے۔

نوح نے کہا کہ میں تو کئی برس تک اُس کا غور سے مطالعہ کرتا رہا اور خوب

جانتا ہوں۔

خدا نے کہا کہ وہ مضمی تو بڑی ہوشیار اور جہاں تک اُس سے ہو سکا آپ سے

پیار بھی کیا۔

نوح نے کہا۔ مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ کس قدر بے وفاء عورت تھی

خدا نے کہا۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ وہ برسوں تک تمہاری لیاقت کی قدر کرتی

رہی۔ وہ تمہاری سبب نصیبوں کا مطالعہ کرتی رہی اور تمہاری کتابوں کو اپنے بچوں کو

پڑھاتی رہی!

نوح نے کہا کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ وہ اب واپس آئے ایسا کریگی؟

خدا نے کہا کہ میرا فرشتہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اگر وہ اب واپس آئی تو آپ

کی ہر طرح سے خدمت کرے گی۔ یعنی گھر کے کام کاج کے علاوہ وہ آپ کے لئے سیکھنے

کی خدمت اور ٹائپ اور کتائیت وغیرہ کرنے کا کام سرانجام دے گی۔ فرض ہر طرح

سے آپ کی مددگار ہوگی۔

نوح نے کہا کہ وہ تو میں خوب جانتا ہوں۔

خدا نے کہا تو پھر اتنی تخیر کا دعوت آپ کو کہاں ملے گی؟

نوح نے پھر بھی انکار کیا۔

خدا نے کہا۔ کہ اس کے کیا معنی؟ آپ بڑے سنگدل معلوم ہوتے ہیں!

نوح نے جواب میں کہا کہ آپ ہی تو کہتے تھے کہ جب تاریخ اپنے آپ کو دہلے

ہے تو اُس میں کچھ نہ کچھ فرق ہو ہی جایا کرتا ہے۔ یہی فرق ہے۔ میں تو آپ کیساتھ

ہوں۔ میری طرف سے آپ مطمئن رہیں گے گا۔ جو بھی مصیبت آوے آئے دیجئے۔ مگر نوح کی بیوی اور اس کے بچے یعنی سیاہ رنگ حاتم اور پتلی ناک والا ستم اور نازکی بات ابن سب کو کو تباہ ہی ہونا چاہیے۔ اگر ایسا ہو تو میں نئی کشتی بنانے میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ ورنہ مجھے معاف رکھیے۔

خدا نے کہا: کھلے آدمی یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

نوح نے کہا کہ جو کچھ آپ نے اپنی مقدس کتاب میں تحریر فرمایا ہے اُسے تو بھلا ایک دفعہ دوبارہ دیکھ لیجئے۔ آپ ہمیشہ شکایت کیا کرتے ہیں کہ لوگ کتاب مقدس کو بھول گئے ہیں۔ مگر آپ تو جو کچھ آپ نے خود لکھا اُسے بھی بھول گئے ہیں۔

نوح بڑی ممانعت سے اور صبر سے اُس کی دلائل کی تردید کرتے ہوئے کہنے لگا۔

کیا آپ بھول گئے ہیں کہ نوح ابن لک شراب پینے لگا تھا؟ کیا آپ یہ بات سچ مچ بھول گئے ہیں۔ اور امر و نفع نہیں کہ جب وہ سب کو نجات دے چکا اور ناسخ ہو گیا تو اُس نے شراب پی۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ایک معجزہ دلائل شخص جو اس قدر مشہور ہو اور جس نے اس قدر نمایاں کام کئے ہوں بھلا وہ کیوں شراب پیئے؟ اُس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے اور وہ یہ تھی کہ اُس کی عائلی زندگی آسودہ نہ تھی۔

اور وہ اپنی بیوی سے خوش نہ تھا اور جب وہ ایسی حالت میں ننگا پڑا تھا تو بیوی کہاں تھی؟ کیا وہ اُسے کب سے ڈھانپ نہ سکتی تھی؟ یقیناً وہ کہیں جھاگ کر چلی گئی ہوگی! اتنے میں حاتم تشریف لائے اور اپنے باپ کو اس حالت میں دیکھ کر غور ہوئے! بیسب کچھ آپ کی مقدس کتاب میں لکھا ہے اور چونکہ میرے نام اور حضرت نوح کے نام

aziz

میں مطالعت ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں یہ سب معیبت سہوں۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے!

آپ فرشتوں کو طلب کریں اور اُن کو غائب کر دیں کشتی کے خیال کو بالکل جانے دیجئے۔ مجھ سے یہ نہ ہو گا۔ آپ اس معاملہ کا ذکر تک نہ کیجئے۔

خدا نے کہا جناب! آپ سچ کہتے ہیں۔

نوح کہنے لگا۔ میں تو آپ کی یاد دہانی کے لئے یہ سب کچھ کہہ رہا ہوں۔ یہ تو سب آپ کا ہی قول ہے اور کتاب مقدس میں موجود ہے۔ بھلا میں آپ کو کیسے کچھ سکھا سکتا ہوں؟

خدا نے کہا کہ یہ تو آپ معاملہ ہی اور ہو گیا۔ ہاں مگر کشتی تو تیار ہوئی ہی چاہیئے۔ بھلا آپ کس کس کو اس کشتی میں ساتھ لے چلیں گے؟

نوح کہنے لگا۔ یہ تو پھر سوچ لیں گے۔ پہلے تو فیصلہ کیجئے کہ کس کس کو ساتھ نہ لے چلیں۔

جب ہم سیب کوہ اراطہ پہنچ چاہیں گے تو حاتم۔ تہم اور یاقوت تو یقیناً ہمارے ساتھ نہ ہوں گے۔ ہمارے ساتھ تو صرف چند ایک روشن دماغ۔ دلیر اور صاف دل لوگ ہوں گے۔ ابراہام اور بنی اسرائیل اور برگزیدہ لوگوں سے اب ہمارا کیا واسطہ؟ ہم کیوں کسی پیغمبر یا نجات دہندہ یا رہبر کو اپنے ساتھ کشتی میں لیں؟ کیوں نہ لوگ اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہوں۔ ایسے شخصوں کا کیوں سہارا لیں؟ فی زمانہ ایسی غلطیاں کیوں کی جائیں؟ یہ تو ایک نیا تجربہ ہے۔ اس کی نوعیت ہی دوسری ہے۔ میرا خیال تو یہی ہے۔ مجھے تو کوئی دوسرا طریقہ نظر نہیں آتا۔

خدا ذرا گھبرایا اور کہنے لگا۔ پھر بھی آپ فرمائیے تو۔
 نوح نے کہا۔ میں نے کشتی والی بات شروع کی تھی اور اب مجھے ہی اُسے پورا
 کرنا چاہیئے۔ اب بتائیئے وہ یا آل کے بڑے والا قصہ کیا ہے؟
 خدا نے آہستہ سے کہا کہ مجھے ڈر تھا کہ آپ اُس کے متعلق مجھ سے ضرور دیرپا
 کریں گے۔

تب نوح نے انگریزی کی انجیل اُسٹائی اور کہا کہ اس میں دیکھئے کہ اصل الفاظ
 کیا ہیں۔ یہ انجیل نہایت عمدہ چھپی ہوئی تھی اور جیمز اول کے زمانہ میں اصلی لاطینی
 اور یونانی زبانوں سے ترجمہ کی گئی تھی۔ پیدائش کا دسواں باب نکالئے فائدہ
 کیا دسواں باب ہو۔ بیچے دسواں باب ہی ہے۔ نوح نے چند سطریں پڑھیں اور کہنے
 لگا آپ نے یہ کیا لکھ رکھا ہے؟ لوگ اس مقدس کتاب کو اس غرض سے پڑھتے ہیں
 کہ ہدایت پائیں اور اُن کے دل کو تسکین ہو۔ مگر جب پڑھتے ہیں تو عجب قسم کی باتیں لکھی
 پاتے ہیں اور اُن کی کچھ سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ بچا سے بار بار پڑھتے ہیں۔ زبان یابی یاد بھی کرتے
 ہیں۔ پڑھتے پڑھتے سو بھی جانتے ہیں۔ گیت گاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

جناب عالی اب سنئیے۔ تب نوح نے بے ستخانہ پڑھنا شروع کر دیا۔ (دیکھو

کتاب مقدس۔ پیدائش باب دسواں)

نوح کے بیٹوں شہم۔ حام اور یافت کی اولاد یہ ہیں۔ ہونان کے بعد اُن کے اڑس
 بیٹے پیدا ہوئے۔ نبی یافت یہ ہیں۔ حمزہ اور ماجوج اور مادای اور یاقان اور توکل
 اور مسک اور تیراس اور حمزہ کے بیٹے اشکناز اور رسیخت اور تہرمہ اور یاقان کے

James I

بیٹے ایبے اور نرسیس۔ نئی اور ودانی۔ قوموں کے جزیبے انہی کی نسل میں پڑ کر ہر ایک کی زبان اور قبیلہ کے مطابق مختلف ملک اور گروہ ہو گئے۔ اور بنی حاتم یہ ہیں۔ کوش اور مصر اور قوط اور کنعان اور بنی کوش یہ ہیں۔ سیا اور حویلیہ اور سنہ اور رعماء اور سبیکہ اور بنی رعماء یہ ہیں۔ سیا اور ودان اور کوش سے مرفد پیدا ہوا۔ وہ گروے زمین پر ایک سورما ہوا ہے۔ خداوند کے سامنے وہ ایک شکاری سورما ہوا ہے۔ اس لئے یہ مثل چلی کے خداوند کے سامنے مرفود سا شکاری سورما اور اس کی یاد شاہی کی ابتدا ملک سعادہ میں بائل اور ارکت اور اکاد اور کلتہ سے ہوئی۔ اسی ملک سے نکل کر وہ استور میں آیا۔ اور نیتوہ اور رجولوت عیر اور کلم کو اور نیتوہ اور کلم کے درمیان رستن کو جو بڑا شہر ہے بنایا۔ اور مصر سے لودئی اور عنائی اور لہائی اور لفتوئی اور نرتوئی اور کسلوئی جن سے فلسطی نکلے اور کفتوری پیدا ہوئے۔

اور کنعان سے صیدا جو اس کا پہلو ٹھا تھا اور حت اور یوتی اور امود اور جرجاسی اور حوی اور عرقی اور سیتی اور ادواوسی اور صمارسی اور حاتی پیدا ہوئے اور بعد میں کنعانی قبیلے پھیل گئے۔ اور کنعانیوں کی حد یہ ہے۔ صیدا سے عترہ تک جو حرانہ کے راستے پر ہے۔ پھر وہاں سے تلے تک جو صدم اور کورہ اور اقعہ اور صیدان کی ماہ پر ہے۔ سونی حاتم یہ ہیں جو اپنے اپنے ملک اور گروہوں میں اپنے قبیلوں اور اپنی زبانوں کے مطابق آباد ہیں۔ اور ستم کے ہاں بھی جو تمام بنی عبرا کا باپ اور یافت کا بڑا بھائی تھا اولاد ہوئی۔ بنی ستم یہ ہیں۔ عیلام اور استور اور ارکسد اور لود اور ارآم اور بنی ارآم یہ ہیں۔ عوض اور حوئی اور

جبرائیل سے۔ اور انکسے سے سلج پیدا ہوا اور سلج سے حجر۔ اور حجر کے ہاں وہ بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام فلج تھا کیونکہ زمین اُس کے ایام میں بٹی اور اُس کے بھائی کا نام یقظان تھا۔ اور یقظان سے الموداد اور سلف اور حصارہ موت اور الخ اور ہورام اور اونال اور ذقلہ اور حوبل اور ابی مائل اور سیا اور اوقیر اور حویہ اور یویاہ پیدا ہوئے۔ یہ سب بنی یقظان تھے۔ اور ان کی آبادی میسا سے مشرق کے ایک پہاڑ ستارہ کی طرف تھی۔ سورنی ستم ہیں جو اپنے اپنے ملک اور گروہوں میں اپنے قبیلوں اور اپنی زبانوں کے مطابق آباد ہیں۔ نوح کے بیٹوں کے خاندان اُن کی گروہوں اور نسلوں کے اعتبار سے یہی ہیں۔ اور طوفان کے بعد جو نو میں زمین پر جا سجا مختلف ہوئیں وہ ان ہی میں سے تھیں۔“

نوح نے کتاب کو جھٹ بند کر دیا۔ اور خدا سے پوچھا اب کہئے جانا ہالی؟ خدا نے کہا کہ کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ سب کچھ میری دماغ کی اختر ہے؟ نہیں۔ یہ تو سب پہلے سے تحریر میں آچکا ہے۔ اور پرانے صحیفے بھی نہایت ہی دلچسپ ہیں۔ اور مودی جیسے محققین بھی اُن کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہاں یہ تحریرات کہیں کہیں مشکوک ضرور ہیں۔

نوح نے کہا۔ ان صحیفوں کا بھی وہی حال ہے جو تاریخوں کا ہے۔ کچھ ایسی ہی ہیں مسلم ہوتی ہیں۔ افتخاریات کی کتابوں میں بھی اسی طرح کا مصالحہ گھر کے بھر دیا جاتا ہے۔ خیر جانے دیجئے۔ یہ تو میں نے ویسے ہی دیکھ لیا تھا۔ اب ٹھیک ٹھیک بتائیے کہ آپ نے بائبل میں کیا کچھ کیا ہے وہ تو ایک عجیب سرگزشت ہے۔ کتاب مقدس میں

~ Woolley

وہ کہانی ایک ستمہ سا ہے۔ بھلا خدا نے انسان کے ساتھ یہ کس قسم کا معاملہ کیا؟ میرے خیال میں میرا مثیل حضرت نوح تب زندہ تھا۔ اور اس کا بیٹم دیدہ واقف ہو گا۔ وہ بیچارہ اپنے دل میں کیا کہتا ہو گا؟ میں نہیں چاہتا کہ میرا بھی وہی انجام ہو۔ آپ نے اُس کے ساتھ بہت عہد کئے آپ کو یاد ہی ہو گا۔ بلکہ آپ نے اُس سے یہاں تک کہا کہ طوفان سے پہلے کمان نہیں دیکھی گئی۔ یہ تو آپ نے بالکل غلط بیانی کی۔ کیا دوسرا تین سو اچاس برس قبل از مسیح جب یاروش ہوا کرتی تھی تو کمان نہ نکلتی ہوگی؟ آپ نے تو کمان کو بیتان کا نشان قرار دیا تھا اور زور سے کہا تھا کہ ایسا ہی ہو گا۔ آپ کبھی کچھ کرتے ہیں اور کبھی کچھ۔ کچھ دن تک تو کام چل گیا مگر کیا تک! پھر نوح نے اپنے بڑھتے ہوئے خاندان کو جمع کیا اور انہیں شتار میں لے گیا اور وہاں وہ رہتے رہے۔ وہاں وہ سب اکٹھے ہو کر با بل کا برج تعمیر کرنے میں مشغول تھے۔ پھر آپ نے بشیر کسی قصود کے حضرت نوح کی موجودگی میں (اُس وقت اُس کی عمر ۸۰۰ برس کی ہوگی) وہ سب کام لگا کر دیا۔ نوح تو آپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ آپ پر پورا اعتماد رکھتا تھا اور آپ کا حکم ماننا تھا۔ بھلا یہ کیا معاملہ ہے؟ بتنے میں نوح پھر کتاب مقدس کو پڑھنے لگا (دیکھو پیدائش - باب کیا رسول - آیات ۵ - ۹)

”اور خداوند اُس شہر اور برج کو جیسے بنی آدم بنانے لگے دیکھنے کو اتنا اور خداوند نے کہا دیکھو یہ لوگ سب ایک ہیں اور ان سبوں کی ایک ہی زبان ہے۔ اور وہ جو یہ کرنے لگے ہیں تو اب کچھ بھی جسکا وہ ارادہ کریں ان سے باقی نہ چھوئے گا۔ سو آؤ ہم وہاں جا کر ان کی زبان میں اختلاف ڈالیں تاکہ وہ ایک دوسرے کی بات نہ سمجھ سکیں۔ پس خداوند نے ان کو وہاں سے تمام روئے زمین پر پراگندہ کیا۔ سو وہ اُس شہر کے

بنانے سے باز نہ آئے۔ اس لئے اس کا نام بابل ہوا۔ کیونکہ خداوند نے وہاں ساری زمین کی زبان میں اختلاف ڈال دیا۔ اور وہاں سے خداوند نے انکو تمام روئے زمین پر پراگندہ کیا۔“

نوح نے خدا سے کہا۔ جہاں بعلی اپنی بیٹیوں کے کہ میں اور آپ موجودہ عذاب سے لوگوں کو رہائی دینے کے لئے ایک کشتی تیار کر امیں۔ مہربانی کر کے مجھے بتائیے کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا؟ اور مجھے کیسے اطمینان ہو کہ آپ مجھے بھی دھوکہ نہ دیں گے؟ اس بات کو جانے دیجئے کہ آپ خدا ہیں یا نہیں۔

مجھے اس قسم کی سخت کلامی معاف فرما دیجئے گا۔ میں بڑے غور سے بددیہات کہہ رہا ہوں۔ آپ نے سچ مچ بڑی ہی دغا کی اور میں اس بات کو دہراتا ہوں۔ نوح جیسے شخص کو اس طرح دھوکا دینا کیا کوئی انصاف تھا؟ اُس بیچارے کا آخر کیا حال ہوا؟ ایسے شخص کو آپ بھولی گئے۔ اور کہا وہ آخری عمر میں جبکہ وہ بالکل ضعیف اور کمزور ہو گیا تھا اپنی اولاد کی اولاد کے ساتھ کہیں بھاگ نکلا۔ نہیں بلکہ وہ اُن کو اپنے گزرے ہوئے زمانے کے حالات بتاتا رہا۔

اس لئے میں نوح نے پھر کتاب مقدس کھولی اور پڑھنے لگا۔

”المودود اور سلیمان اور صمدادت اور اناخ اور ہدورام اور اوزل اور دقلہ اور عویل اور ابی مائیل اور سبیا اور اوفیر اور حوبہ اور یوباب وغیرہ“ اور انا اور ماش جھوٹے بچے بیچائے ہوئے کبڑے نوح کا مضحکہ اڑاتے تھے۔ البتہ بادشاہ کی بھی یہ حالت نہ ہوتی۔ یہ حالت تو ناگفتہ بہ ہے!

~ King Lear

یہ ہذا انجام حضرت نوح کا یعنی نوح ابن لک کا۔ آپ ہی ایسا بیان کرتے ہیں۔ آپ کی ذاتی تحریر موجود ہے۔ اب بتائیے یہ کیا معاملہ ہے اور اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ بھلا کیا جواب دیتے ہیں؟

سچ تو یہ ہے کہ آپ وعدہ ایسا نہیں کرتے۔ عہد کرتے ہیں اور اس سے پورا نہیں کرتے۔ یہودی تین ہزار برس سے یہی چلائے آ رہے ہیں اور انکے والا معاملہ میسجے۔ آپ اس کے ساتھ تھے۔ کبھی اس سے جدا نہ ہوتے تھے۔ بلکہ آپ نے اس کے مرنے کا بھی انتظام نہ کیا۔ اسے بھگالے گئے اور اب وہ کہاں ہے؟

(۶)

وہ بوڑھا شریف آدمی چند دقیقے چپ سا ہو کر رہ گیا۔ اور ابن لک ابھی جواب کا منتظر ہی تھا کہ اتنے میں وہ ملاقاتی ایک شفاٹ شینے کی طرح چپکے لگا۔ اس کے جسم میں ایک مخصوص تبدیلی پیدا ہو رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ شیشہ سا بن رہا ہے۔

آخر خدائے کہا۔ جناب! آپ بڑے ضدی اور بد مزاج واقع ہوئے ہو۔ میں راستبازوں کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ اور کرتا رہوں گا۔ مگر جتنے شخصوں سے بھی مجھے ملنے کا موقع ملا ہے اور ان میں اچھے اور بُرے بھی تھے۔ میں نے آپ جیسا ضدی شخص نہیں دیکھا۔ خاص کر اس زمانے سے یعنی (قبل از مسیح) جبکہ میں نے دنیا سے علیحدگی اختیار کی۔ آپ بھی جانتے ہیں اور نہ مکر تو جانتے ہی ہیں کہ پچھلے انیس صدیوں سے میں نے دنیا میں کوئی مداخلت نہیں کی۔ آپ کا دل تو پتھر سا ہو گیا ہے۔ مغربی لوگوں کا دل کموماً سخت ہو کر بنا

نہ۔ انسان کے دل اور دماغ کا اگر آپ کی حالت سے اندازہ لگایا جائے تو خاصی تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ میرے ڈاکٹر شیفان نے مجھے پہلے سے ہی یہ کہہ رکھا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ایسا ہونے والا ہے۔ سائنس نے فی زمانہ بہت ترقی کی ہے یس نے اس عالم کو چلا دیا اور اب تو اسے چلتے ہی رہنا ہے۔ یس نے آپ سے یہ بحث شروع کی۔ اور اب تو بحث جاری ہی رہنی چاہیے۔ بھلا اس میں شکاٹ کی کیا بات ہے۔ آپ کا بھی کیا قصور ہے۔ آپ کیا کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔۔ خدا کا خوف تو معدوم ہی ہو گیا ہے۔ اپنے کئے کا کیا علاج۔۔۔۔۔ آپ کے سوال کا جواب دینا لازمی ہے۔

یس اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ نوح کے طوفان کے بعد کے واقعات کے متعلق یس نے کچھ دریافت نہ کیا۔ جب حضرت نوح مر گئے تو نہ معلوم کیا ہوا؟ نہیں کہاں دفن کیا گیا۔ یا ان کی لاش کو پھینک دیا گیا کچھ معلوم نہیں۔ یس نے حضرت نوح کو ایک کی طرح چھوڑ دیا۔ نہ معلوم ایک کہاں چلا گیا۔ شاید ابھی تک کہیں گھوم رہا ہو گا۔ یس کیا جانوں؟

ابن ملک نے ذرا تشریح کر دی کہ کہا۔ مجھے مجبوراً کہنا پڑتا ہے اور سخت الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ میں جانتا چاہتا ہوں کہ پھر میناق کے کیا معنی ہوئے؟ اب وہی میناق آپ میرے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔

پورے شریف آدمی نے جواب میں کہا۔ بالکل درست۔ صحیح۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں اور سچا فرماتے ہیں۔ کم از کم آپ نے کتاب مقدس کو صحیح طریقے سے پڑھا ہے۔ بہت سے لوگ اس کتاب کو پڑھتے ہیں اور کسی نے بھی اس بات کا خیال نہیں کیا کہ طوفان کے بعد نوح زندہ رہا یا نہیں۔ بلکہ کسی نے اس کے متعلق دینا تک بھی

نہیں کیا۔ وہ کچھ آیات کسی صفحہ سے پڑھ لیتے ہیں اور صیب پڑھتے ہیں تو اُن کی توجہ کسی اور طرف ہوا کرتی ہے۔

ابن لمک (نور ثانی) ذرا چُپ ہو گیا اور جواب کا منتظر تھا۔

راتنے میں ملاقاتی نے کہا ابھی میں ایک دو نکات ماوراء الطبیعات کے مضمون پر بیان کر رہا تھا۔ یعنی عالم وجود اور اُس کا شہود کس طرح ہوتا ہے۔ اب میں ایک اور مشکل سوال کا حل پیش کرنے لگا ہوں۔ کون اور مکان کو جس قدر گہری نظر سے دیکھا جائے اُسی قدر اُس میں لامتناہی تبدیلیاں کام کرتی ہوتی معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً فرمایے گا جو میں بیان کرنے لگا ہوں اُسے ذرا غور سے سُنے گا۔ مگر اہوں اور کیا نذر کی اصطلاح میں اسے ایک راز سرِ بھر کہا گیا ہے۔ اس کا ذکر اشارتاً میری کتاب مقدس میں بھی آیا ہے۔ میں تو یہ داستانِ صاف صاف بیان کرنا چاہتا تھا مگر چند وجوہات سے نہ کر سکا۔ جیسا میں کہہ چکا ہوں عالم وجود اول میرے ساتھ ہی وجود میں آیا اور حرکت میں تھا۔ یہ تو میں بتلا ہی چکا ہوں۔

ابن لمک نے بھی سر ہلایا اور کہا جی ہاں۔

ملاقاتی نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ پہلی تویہیات ہوتی۔ دیگر مسائل تو اس سے بھی زیادہ عمیق ہیں اور پیچ در پیچ ہیں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ لوگ سادہ اور نیکی کا راستہ اختیار کریں۔ مگر میرا سایہ علومِ طبی۔ نفسیات اور ریاضی کے ماہرین کو چاکرٹا ہے اور بگاڑتا ہے۔۔۔۔۔ اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ عالم کا بننا محدود ہے۔ یہ بات بالکل بیہودہ معلوم ہوتی ہے۔ بھلا کائنات سے یا مہر جو چیز ہے اُسے وہ کہا نام دیں گے؟ پھر ماوراء الطبیعات سے کیا مراد ہوگی؟ یہ کوئی قصہ کہانی

تھوڑا ہی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم ایک ایسے عالم میں رہ رہے ہیں جو بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کے کیا معنی ہوئے۔ بڑھ کر کہاں جاتا ہے؟ پھر کہتے ہیں کہ تین پہلوؤں کے علاوہ ایک جو تنہا پہلو بھی ہے جو روشنی کی رفتار سے چلتا ہے اور جیسی بات تو یہ ہے کہ سایہ سائندہ انوں سے کہتا ہے کہ تجھ پر کہ کے دکھلا دو۔ مجھلا بتائیے کہ رفتار کی کیا حد ہے اور حد ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟ آپ کسی رفتار سے چل رہے ہوں جیب پتھر پھینک دو گے تو آگے کو ہی جائے گا۔ سایہ کہتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہ ہو تو بھی کیا؟ پھر سایہ کہتا ہے کہ اس کا نتیجہ خراب ہے۔ میں اُسے کہتا ہوں کہ چلو اسے ایک مخفی راز سنئے دو۔ وہ کہتا ہے کہ سائندہ ان اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ دہی کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ سایہ خواہ مخواہ دخل در حق لا سکتا رہتا ہے۔ بھلا ان باتوں کا انسان کے اعمال کے ساتھ کیا واسطہ میری کتاب مقدس میں جو داستان ہے اُسے اُس کا غذ کے ساتھ کیا واسطہ جس پر وہ چھٹی ہوئی ہے؟ اب سایہ کو ایک نئی شرارت سوجھی۔ وہ کہہ رہا تھا یہ کائنات لٹیٹی جا سکتی ہے اور اسے پیٹ ہی دینا چاہیے!

خدا کی پیشانی سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بڑی گہری سوچ میں پڑا ہے۔ پھر کہنے لگا۔ بہت عرصہ ہوا کہ میرا سایہ کہتا تھا کہ میں نے جو انسان کو اپنی صورت پر بنایا یہ کام اچھا نہ کیا کیونکہ ایسا کرنے سے انسان کو خیال ہو گیا کہ وہ بھی کچھ چیز ہے اور چونکہ وہ کائنات کا ایک جزو ہے۔ اس لئے اُسے بھی جتن حاصل ہے کہ میں اُسے مشورہ میں اپنا شریک کروں اور وہ بھی کچھ کہہ سکے۔ شاید ساری یعنی

۷۷ Dimensions

شیطان کا یہ منشا تھا کہ خدا اور شیطان دونوں مل کر ایک بات طے کر لیں۔ اگر انسان کو اس فیصلہ کا علم بھی ہو جائے تو جو جی چاہے سو کرے۔ بلکہ جس طرح اُس کی مرضی ہو اُسی طرح کرتا جائے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ اس بات کو بھی طرح سمجھ گئے ہونگے یا نہیں۔ مثلاً کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ نیکی اور یریدی کے علم کا درخت باغ عدن میں لگ رہا تھا۔ اُس درخت پر وہ مشہور کھانے والا پھل بھی تھا۔ یہ بات تو سمجھ میں آ جاتی ہے۔ مگر وہاں ایک اور درخت کا بھی ذکر ہے۔ جس کا آدم اور حوا کو بالکل علم نہ تھا (اس پر کتاب مقدس میں زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ مجھے اور شیطان کو اُس کے متعلق بڑا فکر پڑا۔ ہمیں آدم اور حوا کے باغ سے نکالے جانے کے بعد اس بات سے یہیں محتاط رہنا پڑا کہ کہیں وہ زندگی کے درخت کا پھل نہ کھالیں اور ہمیشہ تک زندہ نہ رہ جائیں! اگر ایسا ہوتا تو مجھے اور شیطان کو تو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا۔ وہ زندگی کا درخت کس جگہ تھا یہ بات کتاب مقدس میں صریح طور پر بیان نہیں کی گئی اور حبیب معلوم ہی نہ تھا تو بیان کیسے کی جاسکتی ہے۔ ہمیں تو اس بات کی فکر نہ تھی کہ وہ درخت کہاں ہے۔ فکر تو اس بات کی تھی کہ آدم کو کہیں اتفاق سے اُس درخت کا پھل ہاتھ نہ آجائے۔ اور وہ اُسے ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے پہلے کہیں کھانے لے ہم یہ گوارا نہ کرتے تھے کہ وہ درخت کے پھل کو کھائے۔ بالآخر ہم نے جلدی سے آدم اور حوا کو اُس باغ سے نکالا اور درد اندہ پرکروہیوں کو اور شملہ زن تلوار کو رکھا۔ تاکہ وہ پھر باغ میں داخل نہ ہو سکیں اور ہم وہاں حفاظت کے لئے گھومتے رہتے۔ یہ اصل واقعہ ہے۔

اتنے میں خدا نے نوح کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔

نوح نے کہا کہ آپ نے میری بڑی عزت افزائی کی کہ مجھے یہ راز کی بات بتائی۔ میں اس کی بڑی قدر کرتا ہوں۔

خدا نے کہا کہ اس کائنات کے ساتھ ہمیشہ پہلے رہنے سے میں اب تنگ آ گیا ہوں۔ کبھی جی چاہتا ہے کہ یہ سب دھڑا چھوڑ دوں۔

جی ہاں آگے فرمائیے۔

ہاں۔ میرے اور شیطان کے دل میں ہمیشہ یہ کھٹکنا رہتا تھا کہ ہم آدم کو اب کس طرح سے روک سکتے ہیں۔ ہم نے اُسے منورع میں متحرک کر دیا۔ میں نے پہلی ہی دفعہ تو اس کائنات کو معلق کیا تھا اور جب ہم نے دیکھا کہ یہ سب لوگ شتا رہیں جمع ہو رہے ہیں اور ایک بڑی عمارت تعمیر کر رہے ہیں اور اُسے اونچا لے جا رہے ہیں تو میرا سایہ کچھ خوفزدہ سا ہو گیا۔ اُس نے کہا نہ معلوم انسان کیا کر گذرے۔ کتاب مقدس کو دیکھو۔ وہاں لکھا ہے کہ انسان جو کچھ بھی کرے اُسے روکا نہ جائیگا۔ پس ہم نے فوراً ہی انتظام کیا اور جلدی میں ہم نے نوح سے جو عہد کیا تھا وہ بھی بھول گئے۔ میں کوئی اکیلا اس کام کو کرنے تھا ہاں ہی کیا تھا۔ میرے ساتھ شیطان تھا۔ کتاب مقدس میں لکھا ہے ”جلو ہم دو تو چلیں“۔

انتے میں خدا ڈرا چپ رہا مگر اور نوح کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ نوح نے کہا۔ نب تو آپ میرا کبار خا موش ہو گئے کبھی کبھتے ہیں اور کبھی کبھتے ہیں۔ میں ہوں کہ کتاب مقدس ایک ایسی کتاب ہے جو زندگی کے متعلق ساری حقیقت بتاتی ہے۔ مگر پھر مجھے کوئی بڑا تپ ہے کہ تم جیسا خدا بڑا ہی مذہب ہے۔ اور معمولی انسان

کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

خدا نے بڑی سرگرمی سے کہا مجبوراً ایسا ہونا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ یہ کائنات کس طرح سے ظہور میں آتی۔ آخر آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کس قدر عجیبہ اور حیرت انگیز کام ہے۔ اب کچھ کچھ ہم دونوں کو پتہ لگنے لگا ہے۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ جس وقت یہ دنیا خلق کی گئی اور حرکت میں آئی ساتھ ہی ساتھ سب ہی گزرا ہوا زمانہ بھی وجود میں آگیا۔ اور ظاہر ہی ہے کہ ایک لامحدود مستقبل بھی ساتھ ہی پیدا ہو گیا۔ بھلا بھر یہ عالم وجود عدم میں کس طرح جاسکتا ہے؟ میں نے چار ہزار چار سال قبل از مسیح اس دنیا کو بنایا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایسا کیا۔ ابھی تھوڑا عرصہ گزرا کہ اسی کمرے میں آپ کے سامنے میں نے اسے مدد دم کیا۔ آپ کو معلوم نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ کائنات اندلی اور ابدی ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ نہ ختم ہونے والی تاریخ ایک نہ ختم ہونے والی کتاب میں لکھی گئی ہو۔ آپ اس کتاب کو کہیں سے کھولیں یا کہیں سے بند کر دیں۔ ایک ہی مینے ہوئے۔ وہ تو وہی کی وہی ہی رہے گی۔ یہی حال اس عالم وجود کا ہے۔ یہ لامتناہی ہے اور میں خود اس میں رہتا ہوں۔ ہاں میرا اپنے سایہ سے جھگڑا لگا ہی رہتا ہے۔ میں آدم بنی عالم انسانی کو اپنی قدرت کا متعرف بخشنا چاہتا ہوں۔ اور یہ ایک قدیم مسئلہ ہے۔ میرا مقصد یہاں آپ کے پاس آنے کا یہی تھا۔

نوح ابن لک نے کہا۔ آپ نے بہت اچھا کیا۔ بات تو یہ ہے کہ آپ نے اس دنیا کو بنا دیا اب کیا کریں گے؟ مانتا کہ آپ خالق ہیں اور علت اولیہ بھی میں اور آپ نے خوب بنایا۔ اور کون اس کام کو کر سکتا تھا اور آپ کے بغیر اور دوسرے میں کون

خلق کرتا سوال یہ ہے کہ جب آپ یہ سب کچھ بنا چکے اور سب کائنات حرکت میں آگئی تو پھر آپ کی مداخلت کی وجہ سے کونسی بہتری کی صورت پیدا ہوئی؟ کتاب مقدس تو آخر کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتی۔ اور نا کام ثابت ہوتی ہے۔ اور آپ کا بھی یہی حال ہے۔ مثلاً یوحنا کے خط اور یہودہ کے خط دیکھئے۔ سلام اور دعا کے بعد لکھتے ہیں کہ ہم آپ سے ہیں اور تمہیں ضروری باتوں سے مطلع کریں گے۔ مگر ہوتا ہوا کیا کچھ نہیں اور مکاشفہ لکھنے والے کی دماغی حالت نہ معلوم کیسی تھی اور پھر ساڑھے اٹھارہ اٹھارہ سو برس سے آپ نے کوئی کلام بھی نازل نہیں کیا۔ اب آپ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ چلو ایک نئی کشتی تیار کر لیں۔ مانا کہ سب جگہ گھر گھر گئے اور آپ کے مناد منادی میں مشغول ہیں۔ لوگ دعا کرتے ہیں اور گیت گاتے ہیں۔ مگر آپ خود اتنی مدت کہاں رہے؟ بہت سے کیتھولک تو یہ کہتے ہیں کہ گھر گھر اور رسومات وغیرہ اصلی دین ہیں اور خدا اور اس کی مقدس کتاب فروغی اشیاء ہیں اور عیسائیوں کا ایک فرقہ تو نہ خدا سے ڈرتا ہے اور نہ شیطان سے۔ آپ تو اب بوڑھے ہوتے جاتے ہیں اور آپ کی ہمتی نہ ہونے کے برابر ہے۔ آپ کا سایہ بھی آہستہ آہستہ نابود ہونا چلتا ہے یہ یحییٰ بن ماری اور شیطان دونوں مضمحل ہوتے جاتے ہیں۔ اور نزدیک ہیں کہ بالکل معدوم ہو جائیں۔

خدا نے کچھ بچھا کر کہا کہ بہت خوب! جوں جوں انسان ذرا ذرا بگڑتا ہے اور سمجھدار ہونا جاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کا سایہ نمودار ہوتا جاتا ہے۔
نوح کہنے لگا خوب کہی۔

Mass Jesuits

خدا نے کہا سچ تو ہے ہی۔ شیطان اور میں تو عالم انسانی کے اندر رہ کر اپنا کام کر چکے اور میں تو بس اب نام کا ہی خدا رہ گیا ہوں۔ اب نیکی اور بدی۔ روشنی اور تاریکی کی جنگ بنی آدم یعنی انسانوں کے اندر شروع ہو گئی ہے۔ گویا وہی پرانی کہانی دہرائی جا رہی ہے۔ اس ذرا مختلف طریقہ پر۔ آپ چاہے خفا میں مگر میں عین موقع پر آپ کے پاس آیا ہوں۔ کیونکہ آپ مار چکے تھے اور مایوس ہو گئے تھے۔ میں ایک نئے خیال کو لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے اس خیال کی مخالفت بھی کی اور تنقید بھی کی۔ مگر آخر یہ کشتی تیار کرنے کا خیال آپ کو پسند آیا۔ اب آپ مجھ سے کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔ ذرا سوچئے اس کشتی کے بنانے میں میری بات کو بھی سنئے گا۔ اوہل کمر اس کام کو انجام دیں۔

نوح لڑکھائے کہا۔ اچھا میں یا بل والا قصہ جانے دیتا ہوں اور جو نوح کا حال ہوا اُسے بھی بھولا جاتا ہوں۔

خدا نے کہا کہ گذشتہ راہ صلوٰۃ۔ آپ سب کچھ بھول جایئے۔ اس اُن سبت کو نہ بھولئے جو میں نے آپ کو سکھلائے تھے۔ انسانوں کو متحد ہو جانے دو۔ اب وہ تباہی اور بربادی ہونے نہ پلئے۔ آؤ سچے دل سے مل کر زندگی کا نیا ورق اُٹھائیں۔

نوح بیچارہ چپ سا ہو گیا۔

خدا نے کہا۔ ذرا سوچئے۔ خدا اور شیطان کے بغیر آپ کس طرح گزارہ کر سکتے ہیں۔ جنگ اور جدال کا طوفان مچا ہوا ہے۔ بچاؤ کی صورت کیا ہے؟ انسان کو کس طرح اس بات سے روکا جائے۔ اس سوال کو تو جانے دیجئے کہ میں حقیقت

میں کیا ہوں۔ مگر اس بات کا خیال کیجئے کہ لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔ اکثر لوگوں نے ”خدا قادر مطلق“ ہمارا آسمانی باپ“ اور ہمارا ابدی دوست وغیرہ اصطلاحیں سن رکھی ہیں۔ مگر آپ کو کون جانتا ہے؟ یہ لوگ کیا جانتے ہیں کہ میں نے کیا کچھ کیا اور میں کون تھا۔ وہ کتاب مقدس کو آپ کی طرح میرے منہ پر نہیں پھینکتے۔ ان کا اُس کتاب پر ایمان بھی ایسا مضبوط نہیں جیسا آپ کا ہے۔ وہ تو اسے ایک قصہ کہانی خیال کرتے ہیں۔ وہ تو اس بات کو بھی تسلیم نہیں کرتے کہ دیال مچلی پونس کو نگل گئی۔ یہ تو وہی بات ہوتی کہ چمچ رکائی کو لے بھاگا۔ مگر وہ یہ مانتے ہیں کہ ہمارا آسمانی باپ ہے جس کی مرضی اس جہان میں کا رہا ہے۔ انہیں سو برس سے میں نے اپنی تخلیق نئے انداز میں اُن پر ظاہر کی ہے۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نیکی اور انصاف کا سرچشمہ دراصل میں ہوں۔ ہزاروں اور لاکھوں راستباز میرے نام کا سہارا لیتے ہیں۔ اور اس کے آسمان پر انہوں نے دنیا سے خرابیاں اور ظلم دور کئے اور سختیاں سمٹنے رہے۔ ممکن ہے کہ دین کے نام پر لوگوں نے لوٹ مار کی ہو اور ظلم روا رکھا ہو۔ مگر میں ہی تو پیغمبروں اور مصلحوں کی نیشنت و پناہ ہوں۔ مجھے آپ بالکل نظر انداز نہ کیجئے۔

نورج ملک نے کہا کہ آپ گھبرائے نہیں۔ مجھے دکھ ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ میں نے آپ سے سخت کلامی کی۔ مگر میں تو بات کو سمجھنا چاہتا تھا۔ تاکہ معاملہ صاف ہو جائے۔ آؤ مل کر کام کریں۔ دنیا پر جو یہ مصیبت آئی ہے۔ اس کا اصلی سبب کیا ہے؟ کیوں یہ جنگ عظیم ہو رہی ہے؟ اور اس قدر ظلم کی کیا وجہ ہے؟ جو کشتی ہم تیار کرنے والے ہیں وہ کیسی ہو۔ ممکن ہے اُس پر سوار ہو کر

کوہ ارار طنگ جا پہنچیں۔ اور پھر شمار میں چاہیں اور بستی نوع انسان متحد ہو کر
نئے سے نئے متمدن ہو جائیں۔

دوسرا باب نئی کشتی پر نیلے نشان

نوح ملک گہری مگر خوشگوار نیند سے جاگا۔ ابھی بستر پر ہی تھا کہ کمرے میں
دھوپ آگئی۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ کسی نے
کیا ہی خوب کہا ہے کہ ہر روز دنیا نئی بنتی ہے۔ اُسے یاد نہ آتا تھا کہ یہ کس کا قول
ہے۔ مگر جگنے پر اُسے ان لفظوں نے بڑی تسکین دی۔ اُسے یہ بھی یاد نہ تھا کہ وہ کب
سویا۔ تھوڑے عرصہ بعد اُسے یاد آیا کہ ایک عجیب سا بولوا شریف آدمی اُس سے
ملنے آیا تھا۔ جس کے بال بالکل سفید اور گھنگریالے تھے اور وہ شخص اپنے آپ کو خدا
قادر مطلق سمجھے بیٹھا تھا۔

نوح لمکنے اپنی گھڑی میز پر سے اٹھائی۔ اور دیکھا کہ اڑھائی بج گئے
ہیں۔ اُس نے گھنٹی بجائی۔ خادمہ آگئی اور کہنے لگی جناب آپ نو گھنٹے سویا گئے
امید ہے کہ آپ ابھی طرح سے ہوں گے۔ چائے کا پیالہ حاضر ہے۔ آپ بستر میں رہا

کچھ دیر رہیں گے یا اٹھنے کا ارادہ ہے؟
 فوج ملک نے کہا میں اُٹھ رہا ہوں۔ مگر یہ تو بتلاؤ کہ ہوا کیا؟ مجھے تو بالکل
 یاد نہیں کہ میں کب لیٹنے پر لیٹا۔
 جناب عالی ڈاکٹر بریشٹ اور دو صاحبان اور پاگل خانے سے آئے تھے۔
 انہوں نے آپ کو بستر پر لٹایا۔ اور کہہ گئے تھے کہ جگنا مت۔
 مگر میں یہ سب کچھ کیسے ہوا۔

اصل میں تو آپ کو اُس بوڑھے شریف آدمی نے سلا دیا تھا۔ وہ اپنے آپ
 کو خدا کا درمطلق کہتا تھا۔ جب وہ نیچے آیا تو بالکل سنجیدہ اور خاموش تھا اور کہنے
 لگا میں نے اُن کو سلا دیا ہے۔ انہیں نیند کی بڑی ضرورت تھی۔ اُن کا دماغ تنک
 گیا تھا اور سو جانے سے اُن کی طبیعت اچھی ہو جائے گی۔

ابھا اُس بوڑھے شریف آدمی نے ایسا کہا تھا!
 میں نے کہا کہ یہ بات اُس نے ایسے بے میں کہی کہ اس میں کسی کو شک کا موقع
 نہ رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ شخص ایک ڈاکٹر ہو یا کوئی سلا دینے والا ہو۔
 وہ شخص کچھ دیر باغچہ کو دیکھتا رہا اور کہنے لگا۔ شام کے وقت یہ خوشگوار سردی
 بگے اچھی لگتی ہے۔

اتنے میں ڈاکٹر بریشٹ اور دو صاحبان اور پاگل خانے سے ایک موٹر میں
 بیٹھ کر آپہنچے۔

یہ شخص میری نیشٹ پر دہلیز پر کھڑا تھا۔ میں دروازے کے پاس کھڑی

۱ Burchet ۲ Mabel ۳ Hypnotist

تھی اور پو دوں کو پانی دے رہی تھی۔ میں نے ڈاکٹر صاحب اور اُن کے ساتھیوں کو موٹر سے اترنے دیکھا۔ میں نے اُس شخص کو جو میرے پاس ہی کھڑا تھا یہ کہتے سنا ”مجھے نہیں چاہیے....“ ”مجھے نہیں چاہیے....“ مگر وہ لوگ اُن کی طرف نہیں

دیکھ رہے تھے۔ وہ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ وہ شخص کہاں ہے؟

میری کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ لوگ مجھے کیوں ایسا بیہودہ سوال کرتے ہیں؟ میں نے پلٹ کر جو دیکھا تو وہ شخص غائب ہو گیا تھا۔ وہاں نہ تھا۔

ڈاکٹر برنٹ نے کہا۔ اے لڑکی جواب کیوں نہیں دیتی۔ وہ شخص کہاں

ہے؟

میں نے کہا۔ ابھی تو وہ یہاں ہی دروازہ کے پاس تھا! ڈاکٹر اور اُس کے دو ساتھی بغیر کچھ کہے مکان کے اندر گھس گئے۔ اُنہوں نے پہلے دروازے کے نیچے ادھر ادھر دیکھا جہاں پھرتا رہی تھیں۔ اُن کے نیچے دیکھا۔ اُنہوں نے اسیاب کے کمرے اور گول کمرے کو چھان مارا۔ وہ شخص کہاں بھی نہ تھا۔ غرض سب جگہ دیکھا بھالاکھیں نہ ملا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوئے۔ میں نے کہا کہ ابھی پانچ منٹ ہوئے وہ شخص یہیں تھا۔ میں نے تو پہلے کبھی ایسا سیدھا سادھا اور شریف پاگل نہیں دیکھا۔ اُسی نے مجھے کہا تھا کہ نوح ملک صاحب اوپر پڑے سو رہے ہیں۔

ڈاکٹر برنٹ کے ساتھیوں میں سے ایک یاغیچہ میں گیا اور دوسرا بادچی خانے میں اور میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اوپر گئی۔ مجھے اتنا معلوم ہو گیا تھا کہ

آپ آرام سے ٹری کرسی پر سو رہے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ پہلے سے
 نشان تر اور جوان تر ہیں۔ جناب عالی! سچ جانیے آپ اس طرح سو رہے تھے جیسے
 ایک نوجوان بچہ سوتا ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے آپ کی پیشانی پر ہاتھ لگایا۔ پھر آپ کی نبض
 دیکھی اور آپ کے سانس کا معائنہ کیا اور کہنے لگے۔ صاحب سو رہے ہیں۔ میں نے
 ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ جگہ دوں۔ اسنوں نے کہا کچھ ضرورت نہیں۔ مگر وہ شخص
 انہیں کہیں نہ ملا یہ معلوم ہوتا ہے اس کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ اور لے گا
 بھی نہیں۔ بیچارہ بالکل بیضرر شخص تھا اور ظالم معلوم ہوتا تھا۔ ایسے شخص کو پاگل خانے
 میں بند کرنے سے کیا حاصل؟ وہ تو وہاں جانا نہیں چاہتا اور اس سے زیادہ
 پاگل دیسے گئے پھر رہے ہیں۔

نوح ملک نے خادمہ سے پوچھا کہ وہ شخص کتنے گھنٹے مجھ سے بات چیت
 کرتا رہا اور کب نیچے چلا گیا؟

خادمہ نے کہا شاید ۱۰ گھنٹہ بات چیت ہوتی رہی۔ میں نے سنا تو کچھ نہیں
 مگر میں تھی نزدیک ہی۔ آپ بڑے آہستہ آہستہ اور آرام سے باتیں کر رہے تھے۔

نوح ملک سوچ میں پڑ گیا!

خادمہ کہتے لگی کہ کیا وہ شخص آپ کو پاگل دکھائی دیتا تھا؟

نوح ملک ذرا مسکرایا۔ مگر اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور کہنے لگا
 میرا لہجہ کاخکی سوٹ نکال دیتا۔ میں اسے پہنوں گا۔ باہر نکال کر رکھواؤ۔ جس کا
 سامان تیار کرو۔ میں دوپہر کا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ٹھیک چار بجے اور دو بجے

۵۰

ہوئے انڈے اور دو گرم گرم مکھن ٹوسٹ میرے لئے لانا۔
خادمہ نے کہا۔ چائے کے ساتھ کیکیا بھی ہے۔
نورج ملک نے کہا کہ اچھا تو گرم گرم کیکیا پر بہت سا مکھن لگا کر لے آنا۔

(۳)

اس واقعہ کے بعد ایک ہفتہ گزر گیا اور نورج ملک اپنے مطالعہ کے کمرے
میں بیٹھا جلدی جلدی مگر بڑے اطمینان سے کچھ لکھ رہا تھا۔ اب اُسے کچھ حوصلہ سا ہو
گیا تھا اور عبارت جو زیرِ تحریر تھی نہایت اسی سلیس مثنیٰ اور وہ اُسے اب بھی سلیس
بتا رہا تھا۔

بسنے میں جو کرسی ملاقاتیوں کیلئے رکھی تھی۔ اُس پر کسی کے بیٹھنے کی آواز سنائی
دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بھاری جسم والا شخص اُس پر آ بیٹھا ہے۔ عبارت
کو ختم کرتے ہی نورج ملک نے کہا مجھے معلوم تھا کہ آپ پھر شریف ٹائیں گے۔ جیسے ہی
اُس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہی شفیق آسمانی دوست
سجیدگی سے آکر وہاں بیٹھ گیا۔ اس حضرت کی نظرائں اوراق پر پڑی جو زیرِ تحریر تھے۔
کہنے لگے معلوم ہوتا ہے آپ بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔

نورج ملک نے کہا فی الحال تو مقصد اور ذرائع کے متعلق کچھ لکھا ہے آپ
کہیں تو پڑھ کر سناؤں۔ بتائیے تو آپ بسنے دن کہاں رہے؟
بوڑھے شریف آدمی نے کہا میں تو ادھر ادھر گھومنا رہا تھا اور ایسی
چیزوں کی تلاش میں لگا رہا جو کارآمد ہوں۔

نوح ملک نے کہا کہ آپ کا سایہ تو آپ کے ساتھ ہی ہوگا۔
جی ہاں۔ بھلا وہ مجھ سے جدا کہاں ہو سکتا ہے؟
نوح ملک نے کہا کہ نکتہ چینی تو ضرور دیکھتا ہوگا اور آپ کو شک میں ڈال
دیتا ہوگا۔

بوڑھا شریف آدمی کہنے لگا۔ اور اُس کا کام ہی کیا ہے؟
نوح ملک نے کہا کہ اگر یہی حال رہا تو بس آپ تو صرف ایک جھگڑتی ہوئی رشتی
ہی رہ جائیں گے۔

بوڑھے شریف آدمی نے کہا کہ میں تو اُسے بہت کہتا ہوں کہ تم شیطان
ہو۔ میرے پیچھے مت آؤ چلے جاؤ۔ اور میں اُس سے بھاگتا بھی ہوں۔ مگر وہ میرا
پیچھا نہیں چھوڑتا۔ جہاں میں جاتا ہوں وہیں آں موجود ہوتا ہے۔ کس طرح اُس
سے پیچھا چھوڑے؟

نوح ملک یہ بات سن کر خوب ہنسنا۔ اُسے خیال آیا کہ یہ سفید بالوں
اور لمبی ڈاڑھی والا بیچارہ بہت کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح سایہ اُسے چھوڑ
دے اور اُسے جس طرح انسان پاؤں سے جدا ہیں نکال پھینکتا ہے نکال کر دُور
کرے۔ مگر اُس کا کچھ بس نہیں چلتا۔ چنانچہ نوح نے خوب فہم نہ لگایا اور پھر
اُس ملاقاتی کی طرف دیکھنے لگا اور کہنے لگا۔

جناب عالی! کتاب مقدس ساری پڑھ ڈالنے کہیں بھی آپ یا شیطان ہنستے
ہوئے نظر نہیں آتے؛ کم از کم میری نظر سے تو یہ بات نہیں گذری۔
وہ شخص کہنے لگا۔ یہ تو درست ہے۔ مجھے بھی ایسا ہی خیال ہے۔ مگر یہ تو

کہتے کہ ہم ہنسیں کیوں؟

نوح نے کہا۔ شروع سے آخر تک سنجیدہ رہنے کے کیا معنی؟ اسی لئے تو موجودہ زمانے کا انسان آپ پر سبقت لے جاتا ہے۔ وہ خوب ہنستا ہے۔ اس طرح سب یہودگی غائب ہو جاتی ہے۔ ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ خوب ہنستا چاہیے۔ اس طوفان بدتمیزی پر بھی اور جو بعد میں ہونے والا ہے اُس پر بھی۔ اس قدر تباہی اور خونریزی پر بھی! ہیبت ناک واقعات پر بھی ہنس دینا چاہیے۔ ہے تو یہ سب یہودگی ہی! سچ پوچھو تو دین نکلتے ہی یہ یہودگی شروع ہو جاتی ہے۔ زندہ گی کیا ہے سراسر یہودگی ہے۔ پہلے زمانے تو اب گذر چکے۔ مگر فی زمانہ تو ہم برے سچ کو بنانے ہی چلے جا رہے ہیں اور بالکل نہیں دیکھتے بل جھجکتے۔

یہ بات اُس شخص کی کچھ سمجھ میں نہ آئی۔ اُس نے ویسے ہی سر ہلایا اور کہنے لگا۔ یہ جو آپ یادداشت تخریب فرما رہے ہیں مجھے ذرا اُس کے متعلق بتائیے۔

(۳۷)

چنانچہ نوح ملک ایک ٹھکانہ لہجہ میں پڑھنے لگا۔

”سب سے پہلے ہمیں صحیح طور پر یہ سوچنا ہے کہ ہمیں کن کن اشیا کو بچانا ہے۔ دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ کس آفت سے اُن چیزوں کو بچانا ہے۔ یہ بعد میں فیصلہ کرنا ہوگا۔ یہ دو باتیں ملے ہو جائیں تو پھر یہ سوچیں کہ کتنی کس طرح کی ہونے والی ہے وہ کشتی چھوٹی سی۔ خوبصورت اور مضبوط ہونی چاہیے تاکہ

۱ Babel

۲ بابل کی طرف اشارہ ہے۔

طوفان میں محفوظ رہے۔ اُس میں سوار ہو کہ ہم سب ارا راط کو چل دیں گے۔ اور
بکھلی ملاقات ہیں آپ کو یاد ہو گا کہ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ وہاں تک ہی نہیں پہنچنا۔
ہم کو تو اُس خوشگوار پہاڑ پر اترنے کے بعد کمالوں کا تماشا دیکھنا ہے۔

خدا نے ذرا سر ہلایا۔

اُس کے نید یا بل والا معاملہ پیش آنا ہے۔ کشتی تو تباہی میں جا رہی ہے۔
سب باتیں طے ہو جائیں۔ آپ اس بات پر متفق ہیں یا نہیں؟
خدا نے کہا۔ بالکل درست ہے۔ میری تحقیقات.....

نورج ملک نے بات کو کاٹ کر کہا۔ معاف کیجئے۔ مجھے یہ تحریر یادداشت
پڑھ لینے دیجئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آیا کین اشیا کو بچا کر کشتی میں رکھنا ہے؟ کیا
یہ طے ہو گیا ہے؟ پرانی دنیا میں جو یہ جنگ و جدال۔ لغت اور مظالم ہو رہے ہیں
بھلا ان کو بچانے کی کیا ضرورت؟ ہمارا اس دنیا سے اب کیا واسطہ؟ کیوں ٹھیک ہے
یا نہیں؟ کشتی میں اور چیزیں رکھیں۔ مگر اس تباہی کے بیچ اور غموں سے بچا کر رکھنے
سے کیا فائدہ؟ ایسا کرنے سے تو پھر وہی دنیا ہی اور یہی شرمسار ہو جائے گی۔

خدا نے کہا۔ میرے خیال میں جو سب سے عمدہ چیزیں ہیں وہ بچا لینی چاہئیں
نورج ملک نے کہا وہ عمدہ چیزیں کونسی ہیں؟
خدا نے کہا کہ پہلے میں بتاؤں کہ میں نے کیا تحقیق کیا ہے؟ پھر دیکھیں گے
نورج ملک نے کہا فرمائیے۔

خدا نے کہا۔ آپ کی تصنیفات مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ آپ کا خیال ہے
کہ ایک خول (cocoon) یا بوتل جیسی چیز لے لی جائے۔ اور اُس میں سب قسم کے

علوم اور سیادت اور معلومات وغیرہ بھر دی جائیں اور جب یہ جنگ - تباہی - بد نظمی - قحط سالی اور دیا وغیرہ ختم ہو جائیں تو نئے سرے سے ایک نئی دنیا یا نیا نظام عالم طیار ہو۔ یہ سب باتیں آپ کی کتاب "وقت کی کل" میں موجود ہیں۔
روح نے کہا کہ میں نے کبھی کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی۔

خدا نے کہا کہ اب آپ پچھاتے کیوں ہیں؟ آپ کی کتاب میں مثلاً "عالم انسانی کا کام اور دولت اور خوشی" یا "عالم گیر دماغ" وغیرہ کیا کہتی ہیں اور جوں جوں آپ بڑے ہوتے جاتے ہیں آپ کا یہ خیال تقویت ہی پکڑتا جاتا ہے اور آپ اسے باہر دہراتے ہیں۔

روح نے کہا۔ میں نے ہرگز یہ کتابیں نہیں لکھیں۔
خدا نے کہا۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ سیکینٹے نے ملکہ الزبتھ کے زمانے میں کتابیں لکھیں اور اس نے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچا دی کہ صفت وہی تھا۔ میل تو یہی خیال ہے کہ پچھلے سو سال میں جو بھی کتاب آپ نے لکھی وہ اسی مضمون پر تھی کہ نیا نظام عالم کس طرح قائم ہو۔ آپ کے علم میں یہ بات نہ ہو۔ مگر ہے یہ حقیقت۔ کتابوں کے نام اور رکھ لئے اور لکھنے بھی لکھی ہوں تو بھی آپ کا خیال تو اسی طرف لگا رہتا ہے۔ کتاب میں تو اتنی ہیں کہ کس کس مصنف کا نام لیا جائے۔ جہاں میں کس طرح کتاب مقدس پر نکتہ چینی برداشت کر سکتا ہوں؟ میں ایسے مصنفوں کو بغیر کچھ کہے کیسے چھوڑ دوں؟ اول تو کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ کتاب

"Time Machine" & "Work, Wealth & Happiness of Human Kind" & "World Brain" & "Bacon & Elizabeth & Donne"

مقدس ہر لحاظ سے دیگر کتب پر برتری رکھتی ہے۔ خدا مصنف ہونے کی حیثیت میں اپنی خلق کا اظہار کرنے میں حق بجانب تھا۔

نوح نے کہا۔ میں تو آپ کا مقابلہ کرنا نہیں چاہتا۔

خدا نے کہا۔ آپ کہتے ہیں۔ کتاب مقدس پر تفسیریں اور تنقیدیں اوتھر ہے

اور اختیارات میں مضامین ہزاروں موجود ہیں اور بڑی بڑی کتابیں موجود ہیں جن

میں ایک حرف بھی اُس کتاب کے برخلاف نہیں لکھا گیا۔ بلکہ پروفیسر کسٹلی نے تو اُس

کی بڑی تعریف کی ہے۔ صدیوں سے ادبی لحاظ سے کتاب مقدس عجوبہ روزگار رہی

ہے۔ مسکینوں کے لئے ایک خزانہ اور امیروں کے لئے سہارے کا کام دیتی رہی ہے۔

خواہ لوگ جنگل یا باں میں رہتے ہوں۔ مگر اسی کتاب مقدس کو منگاتے ہیں۔ پھر بھی

آپ آج کل کی ردی کتابوں کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔

نوح نے کہا کہ یہ بحث تو آپ نے چھیڑی تھی۔

خدا نے کہا کہ کیوں نہ چھیڑتا؟

نوح نے کہا۔ میں نے تو صرف یہی کہا تھا کہ یہ کتابیں میں نے نہیں لکھیں۔

خدا نے کہا۔ میں کہتا ہوں کہ آپ نے لکھی ہیں۔

نوح نے کہا کہ اس بات کو جانے دیجئے۔

خدا جو ابھی تک کچھ گھبرا یا ہوا تھا اپنے لگا اچھا جانے دیجئے۔

نوح نے کہا اچھا بتائیے آپ نے کیا کچھ دریافت کیا ہے؟ میں آپ کے ساتھ

متفق ہوں۔ کتاب مقدس ایک بنیادی اور اصولی کتاب ہے۔ باقی ادبی کتابیں

ۛ Prof. Huxley

اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

یہ سن کر پورے شریف آدمی کی گھبراہٹ جاتی رہی اور وہ کہنے لگا میں نے ایک عجیب بات دریافت کی ہے۔ کیا آپ نے فلموں کے متعلق کچھ سنا ہے ؟
نوح جاننا تو تھا ہی۔ مگر پھر بھی متوجہ نہ ہوا اور کہنے لگا۔ یہ خدا بھی خوب مزیدار ہے۔ ایک تو اپنی خلقت میں لپٹا ہوا ہے۔ اور اب نوح سے ہم کلام بھی ہو رہا ہے۔ نوح اب سمجھا کہ خدا سچ مچ ہی ایک خالق ہے اور لوگ سب اُسے اس عالم کا بنانے والا مانتے ہیں اور نوح مصنف ہونے کی حیثیت سے ایک طرح سے خیالات کا خالق بھی تھا اور وہ اس بات پر فخر کیا کرتا تھا کہ دراصل یہ دو مصنفوں کی باہمی ملاقات ہے۔ ایک مصنف دوسرے مصنف کی باتیں اکثر چرا لیا کرتا ہے۔ اس میں بحث مباحثہ کی کیا ضرورت ہے ؟ اگر خدا نوح کو موجودہ زمانے کی دہشت پسند ادبی کتابوں کا مصنف جانتا تھا تو اس میں کونسی حیرانی کی بات ہو گئی ؟ اور اگر اُس نے فلم کی حقیقت کو معلوم کر لیا تو بہت اچھا کیا۔

خدا نے کہا کہ یہ تحقیق ہو گیا ہے کہ فی زمانہ فلمیں تیار ہو سکتی ہیں اور ان کی کئی کہانیاں لی جاسکتی ہیں اور ہر حکم رواۃ کی جا سکتی ہیں۔ اور دنیا کے کسی حصہ میں لے جا کر دکھلائی جا سکتی ہیں اور خرچ بھی زیادہ نہیں ہوتا۔ ایک ہنگی جہاز بنائے میں لاکھوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ سب دنیا کی تصویریں اور عمارتیں اور آثارِ قدیمہ ہر جگہ فلم کے اندر بند کئے جاسکتے ہیں۔ ہر قسم کے قدرتی منظر اور دلفریب نظائے علم کے اندر آسکتے ہیں۔ پودوں کا اگنا اور جانوروں کی حرکات

وغیرہ عین اصل حالت میں دکھلائی دیئے گئی ہیں۔ دنیا کی قدیم کتابوں کا عکس لیا جاسکتا ہے اور انہیں ایک کمرے میں جمع کیا جاسکتا ہے۔ دو ماہ کے پوپ کی لائبریری اور انگلستان کی بڑی بڑی لائبریریاں اور امریکہ میں کانگرس کی لائبریری جو شہر واشنگٹن میں ہے۔ یہ سب میلوں جگہ گھیرے ہوئی ہیں۔ اور ان میں بیشمار کتابیں ہیں جن کی فہرست تیار کرنی ناممکن ہے۔ شاید چند سالوں میں جرمن ان لائبریریوں کو تباہ کر دیں۔ مگر اب تو سب علوم غلم کے اندر بند کئے جاسکتے ہیں۔ کس قدر آسانی ہو گئی ہے۔ میں ایک دن ڈاکٹر کینیڈہ میس کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ امریکن کوڈک کمپنی کے مالک ہیں۔ جب میں نے اپنا کارڈ بھیجا تو وہ ذرا حیران سے ہوئے۔ مگر انہوں نے کچھ ظاہر نہ ہونے دیا۔ اور میں نے بھی ایک دو معجزے دکھاکر انہیں اپنے متعلق یقین دلا دیا۔ جو کچھ انہوں نے فلم کے متعلق مجھے بتلایا وہ تو بہت ہی اطمینان بخش تھا۔ یہاں تک کہ میرا سایہ بھی خوش ہوا۔

نوح نے پوچھا کہ وہ حضرت بھی آپ کے ساتھ تھے؟
خدا نے کہا سایہ کہنے لگا کہ میں بھی چلوں گا۔ اُسے اس قسم کی کلیں دیکھنے کا بہت شوق ہے اور وہ خوب سمجھتا بھی ہے۔

نوح کہنے لگا۔ بھلا وہ نہ سمجھے! جتنے جانور آپ نے بنائے ہیں وہ ان سب سے زیادہ ہوشیار ہے۔

خدا نے کہا۔ الغرض فلم ایک قابل عمل شے ہے اور بڑی مقبول ہے اس

Library of Washington Kenneth Mees

Kodak Card

کے ذریعہ ہم سب کائنات کا نقشہ اُتار سکتے ہیں۔ اور اُسے سب جگہ یا کُل یا جُزء جُزء کر کے دکھلا سکتے ہیں۔ اُس کو کہیں چھپا کر رکھ لو۔ اگر ساری دُنیا لڑائی میں مرجائے ہمارے پاس تو یہ پوری کی پوری فلم موجود ہوگی۔ جب جی چاہے گا نکال لیں گے۔ کشتی بنانے کا یہی تو مقصد ہے۔ اب تو صرف روپیہ چاہیے اور کچھ لوگ مدد کریں تو کام چل جائے۔

خدا اس قدر مطمئن القاب تھا کہ نوح نے کچھ کہنا مناسب خیال نہ کیا۔ تب خدا کہنے لگا کہ موجودہ زمانے میں ایک بات تو قلیلِ تعریف ہے اور وہ یہ ہے کہ پرانے طریقے بڑے ہی بھدے اور پیچیدہ تھے اور اب تو سب کام بڑی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ مثلاً پہلے وقتوں میں کلامِ الہی بینیموں پر نازل ہوا کرتا تھا اور بعض دفعہ عجیب طریقے استعمال کئے جاتے تھے۔ اب کیا ہے دن ہو یا رات پیغمبر کو ٹیلیفون پر بلا لیا اور جو کچھ کہنا ہوا سو کہہ دیا۔ خیر کشتی کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔ اب تو سوال یہ ہے کہ وہ کس طرح تیار ہو؟

نوح نے آہستہ سے کہا ابھی بات۔

اتنے میں خدا کا چہرہ مَرَح سا گیا۔ اور کہنے لگا: بچھا۔

نوح بھی چُپ سا ہو گیا۔

خدا نے کہا کبھی کبھی آپ مخالفت کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ضد بھی کر بیٹھتے ہیں اور تنقیدی رنگ میں بات جیت کرتے ہیں۔ مجھے بڑا ہی بُرا لگتا ہے اور مجھے شیطان یاد آتا ہے۔ خاص کر جب وہ کسی یہودہ بات پر اڑتا ہے۔ ہم دونوں

ہی کو تو بل کر یہ کام چلاتا ہے۔
چنانچہ خدا غضب ناک ہو گیا۔ اور نوح سے کہنے لگا۔ کہ وہ اب کیا کہتے
ہو؟

نوح نے کہا کہ شیطان کا کام تو میں کرنے سے رہا !
خدا نے کہا کہ مجھے تو ڈر ہے کہ آپ بھی کہیں شیطان کی طرح فرود کا
شکار نہ ہو جائیں؟
نوح نے کہا ”فرود کا شکار!“

خدا نے کہا کہ کیا آپ میری مخالفت پر آمادہ نہیں ہو سکتے؟
نوح کہنے لگا۔ اگر ہم دونوں نے مل کر کام نہ کیا تو شیطان ضرور مشکلات
پیدا کرے گا۔ یہ تو اُس کا کام بھڑا۔ وہ تو کشتی بانی میں ڈالنے سے پہلے ہی
کام بگاڑ دے گا۔

خدا نے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آپ شیطان کی دکانٹ کر رہے ہیں۔
نوح نے کہا۔ ہے تو کچھ ایسی ہی بات۔ اجانت ہو تو کچھ سمجھ سیری یادداشت
سے اور پڑھوں۔

جی ہاں پڑھیے (خدا کے دل میں اب کوئی عرصہ نہ تھا)
تب نص پڑھنے سے پہلے کہنے لگا۔ کہ میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ کیا پرانی
دنیا کو جب اس میں بہت سی خرابیاں آجائیں گی اور یہ دنیا گناہ آلودہ ہو جائے گی
بچانا ہے یا ایک بالکل نئی دنیا بنانی ہے اور وہ بھی اُس وقت جب کہ یہ آخری
خوفناک جنگ اور قوموں کی آپس کی لڑائی اور سب پرانی رسوائی ختم ہو چکی؟

یعنی کیا اب نئے خیالات کو ترمیم کیج دینا ہے یا وہی پرانے دقبانوسی عیسائیوں
والے طریقے جاری رکھنے ہیں؟
خدا نے کہا۔ یہ تو سیاسی معاملہ ہے۔

نوح نے کہا کہ آپ کے بنائے ہوئے بڑے اور چھوٹے آسمانی صحیفے اگر
سیاسی نہیں تو اور کیا ہیں؟ اچھا تو اصولی طور پر فیصلہ کر لیجئے کہ بالکل نئی دنیا
بنانی ہے یا نہیں؟

خدا نے کہا پہلے یہ تو بتلاؤ کہ کس طرفہ پر دنیا بنانی ہے؟
نوح نے جواب دیا کہ وہ بعد میں دیکھ لیں گے۔ سوال تو یہ ہے کہ پرانی
دنیا کی تجدید کرنی ہے یا نئے سرے سے ایک نئی دنیا بنانی ہے۔
خدا نے کہا کہ اس جنگ سے کیا مراد ہے؟

نوح نے کہا کہ جب آپ اس قسم کا سوال کیا جاتا ہے تو آپ ہمیشہ پیغمبروں
کی طرف ہی کرتے ہیں اور پادریوں اور پرانے خیال کے لوگوں کی پروا نہیں
کرتے۔ آپ بڑے ہی انقلاب پسند ہیں۔ کتاب مقدس تو ہے ہی ایسی کتاب۔
آپ مجھے خواہ مخواہ اُن لوگوں کے ساتھ شمار کر لیتے ہیں جنہوں نے دماغ عالم اور
تاریخ عالم، دینہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اُن کی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ لوگوں
کے دماغوں میں یہ نیا تخیل سرایت کرے۔ جب فرانس میں انقلاب ہوا تھا تو
بھی ایسا ہی کیا گیا تھا۔ تب تو یہ جادو چل گیا تھا۔ مگر ہر وقت تو ایسا نہیں ہوتا۔

ۛ Franco, Halifax, Baladier, etc.

ۛ World Brain ۛ World Encyclopaedia

لوگ شاک ہو جاتے ہیں اور کہنے لگ جاتے ہیں کہ ولز جیسے مصنف بیٹھے ایسی کتابیں لکھتے رہے ہیں۔

خدا نے کہا کہ تپ آپ یہ ساری دنیا کے علم لے لینے والے خیال کو پسند نہیں کرتے۔ گویا یہ ہماری مشکل کا حل نہ ہو۔

نوح نے کہا پورا حل تو نہیں کچھ حد تک حل ضرور ہے۔ ایسا کرتا تو چاہیے مگر اس کے علاوہ اور باتیں بھی تو لازمی ہیں۔ اگر ہم نے عقل سے کام نہ لیا تو بہت سی خرابیاں سامنے ہوئیں گی۔ شیطان بھی سامنے ہوئے گا۔ اس کے توڑ سے جو جائیں گے۔ وہ سب پرانی خرابیاں جھوٹ اور قریب اور دغا بازی اور دماغی بیماریاں اپنے ساتھ لے آئے گا وہی بائبل والا حال ہوگا۔ اگر دنیاؤں کا اختلاف نہ ہو گا خیالات کا تو ہوگا۔ وہ بیچارہ آئلڈس کلسی جا کر ساری دنیا گھوم آیا۔ آخر پاگل ہو گیا۔

خدا نے کہا آپ درست فرماتے ہیں۔ مگر آپ موجودہ علوم سے واقفیت رکھتے ہوئے مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ ان میں کتنی سچائیاں بھی پڑی ہیں۔ بہت سی ایجادیں ابھی نامکمل حالت میں ہیں۔۔۔ مثلاً کیبڈنڈش کی ایجاد لے لیجئے۔ مکمل ہونے ہوتے ایک صدی گزر گئی۔

نوح سوچ میں پڑ گیا اور کہنے لگا۔ ویسے تو کوئی بات اس دنیا میں ایسی نہ ہوگی جس کے اندر کچھ نہ کچھ سچائی نہ ہو۔ جاپان کے شینٹو دھرم کو ہی لیجئے اس میں بھی کئی باتیں ایسی ہیں جو انسانی دماغ کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور جو آگے

~ Aldous Huxley & Cavendish ~ Shinto

چل کر بڑی مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ مہاجر پڑشوں کی زندگیاں۔ وسطی زمانے کے افسانے اور بے شمار ناول ایسے ہیں کہ نئی دنیا کے محققین ان میں بہت سا مصالح پائیں گے۔ بڑے شوق سے ایسی باتوں کو سچائیے۔ مگر یہ خیال رکھیے کہ کشتی میں یوچر زیادہ نہ ہو جائے۔ کہیں کشتی ڈوب نہ جائے۔ یہ سب کچھ بھرنو۔ مگر اسے کشتی کے نیچے حصہ میں ڈال دیں گے۔ تاکہ ایک تو توان قائم رہے دوسرے خوراک کا کام دے کشتی کے اوپر کے حصہ میں صاف اور شکاری چیزیں مثلاً متحدہ اور تازہ دل اور دماغ وغیرہ لے جائیں۔ ”چیدہ لوگوں کے لئے تو بالکل پاک اور نفیس اشیاء ہوں اور عوام کے لئے سادہ اور مفید چیزیں ہوں۔“

(۲۷)

نوح ملک نے آخری فقرے کو ایک کاغذ پر لکھ لیا تاکہ وہ اسے بھول نہ جائے۔ پہلے بھی وہ عموماً دن صاحب (جو ایک مصنف تھے) کی طرح ایسا ہی کیا کرتا تھا۔ اب اسے ذرا ہوش آیا۔ پہلے تو وہ تعجب سے پاس کی خالی کرسی کی طرف دیکھتا رہا۔ اور تھوڑی دیر بعد اس نے فادمہ کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔

فادمہ نے کہا۔ جناب آپ خوب سوئے۔ زیادہ کام کرنے سے آپ تھک جاتے ہیں اور چونکہ دن رات فکر مند رہتے ہیں۔ سو جانے سے آپ کے دماغ کو آرام ملتا ہے۔

نوح ملک نے کہا۔ چائے کا پیالہ پی کر میں سیر کرنے جاؤں گا۔ بھلا میسل! یہ تو بتاؤ اس بوڑھے شریف آدمی کا کچھ نہ چلا؟

خادمہ نے کہا۔ وہ تو نہیں ملا (دل میں خوش منہی کیسی نے اُسے دیکھا بھی نہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ کسی رسد گاہ کو دیکھنے گیا تھا۔ اُس نے کسی سے پوچھا کہ ستاد کی سے کس طرح پتہ چل جاتا ہے کہ تلاں جہاز کس جگہ پر ہے؟ لوگوں نے خیال کیا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ شخص جرمین ہوائی جہاز سے پھرتی لئے اُنڈا ہو۔ مگر یہ سب گپ معلوم ہوتی ہے۔

نوح ملک نے خادمہ سے پوچھا کہ تم نے یہ کہاں سے سنا؟
کہنے لگی سر جیمز جین کی خادمہ کسی سے یہ بات کہہ رہی تھی اور وہ گریک ایک دوست کو جانتی تھی اور اُس نے اُس سے کہا تھا۔
نوح ملک پھر سیر کے لئے اکیلا چلا گیا اور سوچتا رہا۔

(۵)

نوح ملک اب اُس بوڑھے شریف آدمی کو خوب پہچان گیا تھا۔ وہ شخص پہلے تو دوسروں کو بڑے سیر پار دکھلاتا تھا اور کہتا کہ اس طرح ہوا اور یہ ہوا اور وہ ہوا سننے سے کام ہو۔ مگر آخر کچھ نہ بتاتا۔ سچ پوچھو تو حضرت انسان آج تک یہی کرتا رہا ہے۔ ایک کام بڑے جوش و خروش سے شروع کرتا ہے اور جس طرح کوئی شخص کو شش کر کے دلدل سے نکلے اور پھر پھسل کر اُسی میں جا کرے۔ بس اُس کا یہی حال رہتا ہے۔ خدا اور انسان اسی طرح سے پہلے تو بل کر ایک کام کو شروع کرتے ہیں۔ مگر نہ معلوم کیا ہو جاتا ہے۔ آخر کام بگڑ ہی جاتا ہے اور تباہی آ جاتی ہے۔ وہ آغاز آخر میں ایک خوب خیال

at Observatory at Parachutist Sir James Jean

سا ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم عہد گذشتہ سے اس طرح پیوستہ ہیں کہ اس سے تعلق توڑ ہی نہیں سکتے۔ ماضی سے جکڑے رہنا کوئی لازمی بات تو نہیں مگر ہم مضبوطی سے دل میں یہ ٹھان لیں کہ نئی دنیا ایک نئے ڈھنگ سے بنا کر چھوٹے اور ایسی بنائیں گے جو صاف اور سہری ہوگی تو یہ ناممکن تو نہیں! ابھی نور ملک بیدل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ وہ چوٹکا اور جس طرح کوئی شخص اڑتی ہوئی تیرتی کو پکڑنے لگے وہ کہنے لگا جانے مت دو!

اتنے میں خدا اس سوال کو مختلف پہلوؤں سے جانچنے لگا۔

اس جنگ کے دو پہلو ہیں۔ اول تو دنیا کا حال بالکل خراب اور خستہ ہو گیا ہے۔ دوسرے بے حد تباہی اور بربادی ہو رہی ہے۔ جو لوگ اس کشتی میں سوار ہوں گے ان کو غیر جانبدار رہنا ہوگا۔ اس سے یہ سرا نہیں کہ لوگ جنگ میں شامل نہ ہوں۔ تباہ کرنے والوں کا مقابلہ تو ضروری ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ پہلے نظام کا بھی قلع قمع کرنا لازمی ہوگا۔ تاکہ وہ پھر سر نہ اٹھا سکے۔ اب اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ قدم کو سوچ کر اٹھانا چاہیئے!

کشتی کی تحریک مقبول عام نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ صاحب اختیار اور قدرت والے ہیں وہ بھلا کب اس قدرت کو پسند کریں گے؟ عوام کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے گی کہ نیا نظام کیسا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے اسے دیکھا ہی نہیں۔ ان کے ذہن میں اس کا تخیل اتنا ہی مشکل ہے۔ اور جو لوگ عیش پرستی میں لگے ہوئے ہیں وہ بھلا ایک نئی دنیا کیونکر بننے دیں گے؟ انہیں یہ کشتی والا خیال کیونکہ اچھا لگے گا؟ بلکہ وہ تو اس کا مضحکہ اٹائیں گے۔ اور جب تک طوفان آن

نہ پہچانے گا وہ روٹے اٹکاتے رہیں گے۔ سوال تو یہ ہے کہ کشتی میں کون لوگ سوا رہوں؟

اُن صاحبِ انداز ٹھہریئے۔ جب آپ سو کر اٹھے تھے تو آپ نے یہ فقرہ کہا تھا ”چمیدہ لوگوں کے لئے تو بالکل پاک اور نفیس اشیاء ہوں اور عوام کے لئے سادہ اور مفید چیزیں ہوں“ کیا اس سے ہماری مشکل حل ہو جائے گی؟
انتے میں نورج ملک سیر کرتا ہوا اُس نالے تک جا پہنچا جو اسکے باغیچہ کے بچوں سے بھرتا تھا۔ اب جگہ جہاں انسان بیٹھ سکتا تھا وہ بھی بیٹھ گیا۔ خیال کیا کہ بیٹھ جانے سے سوچیں نہیں مدد ملے گی۔ چپکے سے بیٹھ کر اور انگلی اٹھا کر اپنے آپ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا:

دیکھو اے دنیا کے رہنے والو! انسانی زندگی کو نئے طریقے پر چلانے کے سوال کو فی زمانہ مارکس، انجیل اور لینن جیسے شخصوں نے حل کرنے کی کوشش کی ہے جو کچھ اُنہوں نے کیا اُس کو سمجھ لینا ہمارے لئے لازمی ہے۔ تاریخ میں پہلے کبھی اس قسم کا اہم تجربہ نہیں کیا گیا۔ ایسا سمجھو کہ یہ تجربہ سب سے آخری اور ہمارے زمانہ کی روش کے مطابق ہے۔ اُن کا حل بالکل موجودہ حالات کے ساتھ ساتھ چلنا ہے۔ مگر اُس وقت فاصلہ کا سوال تھا جواب حل ہو گیا ہے۔ کارل اُس شخصی حیثیت میں کیسا ہی ناتواستیدہ کیوں نہ ہو جیسا کہ میرے بعض معصوم کا خیال ہے، اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اُس نے بڑا کام کیا ہے۔ شخصی طور پر دیگر ماہرین کی طرح وہ بڑا ہی بد دماغ تھا۔ مگر ہمیں اس بات کا بھی

ۛ Marx, Engel & Lenin

محافظ رکھنا چاہیے کہ اُس نے کس ماحول میں پرورش پائی؟ اُس زمانے کی بیہودگی اُس میں منعکس ہو رہی تھی۔ اُن دنوں یہ خیال لوگوں کے سر پر سوار تھا کہ بعض ہستیاں بڑی ممتاز نہ ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ کارل مارکس کے سر پر بھی یہ بھوست سوار ہوئی، بیچارہ کیا کرتا!

جب یہ مضمون آرائی ہو رہی تھی تو میں اُسی وقت ایک جھوٹا سا آبی چوہا لودھ لک کے سامنے نالے کے کنارے پر آ بیٹھا۔ لگا غوطے لگانے جیسے آبی چوہے کا قاعدہ ہے۔ جب لودھ لک نے ہاتھ اٹھایا تو وہ سمجھا کہ کوئی اور شخص بھی وہاں موجود ہے۔ چوہے نے کبھی پہلے انسان کی شکل نہ دیکھی تھی اور وہ حیرت میں تھا کہ یہ کیا بلا ہے۔ مگر وہ ڈرا بالکل نہیں۔ غوطے لگانا چھوڑ دیا اور متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔

لودھ لک اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

چوہا بیچارا سر کو ترچھا کئے ہوئے اُس کی طرف دیکھا کیا گویا (دیکھو نوٹ) کی طرح کچھ سننے کی تاک میں لگا تھا۔ یہ خیال کہ ہر شخص چاہے اُس کے سر پر ایک بڑی سی لپٹی ہو یا نہ ہو۔ اُس کی پشت پر ایک بڑا سا جعبہ ہو یا نہ ہو۔ اس کی داڑھی بڑی ہو یا چھوٹی۔ سر کے بال گہرے دار ہوں یا نہ ہوں۔ جسم کا بھاری ہو یا ہلکا۔ کسی اہم مسئلہ کو بلا امتیاز بیان کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اُس زمانے کے لوگ اس بات کو نہ سمجھتے تھے۔ اُن کے ذہن میں یہ بات نہ آتی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ایک نئے خیال کو پیش کرنا اور ایک ممتاز ہستی نہ ہونا اور ساقی ہر مذکورہ بالا لوازمات سے مبرا ہونا ناممکن بات ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ انہیں اپنے آپ کو برا ظاہر کرنا

ہی پڑتا تھا۔ مثلاً لاگ قبلو ایک شاعر یوں رقمطراز ہے:-

”ممتاز ہستیوں کے نقش قدم پہ چل کر ہم بھی اپنی زندگی کو اعلیٰ بنا سکتے ہیں اور جب ہم ملکِ عدم کو چلے جائیں گے تو ہمارے اعمال آنے والی نسلوں کے لئے سرمشق بنیں گے۔“

مگر فی زمانہ لوگ یہ نہیں چاہتے (آبی چوسنے کی طرف متوجہ ہو کر) اب لوگ انگھساہی اور عاجزی سے کام لیتے ہیں۔ ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ہمارے مرنے کے بعد ہماری یادگاریں قائم ہوں۔ ہمارے بیت بنائے جائیں اور ہمارے اور مشہور حکموں میں انصاف کئے جائیں۔ تاکہ نیچے اُنہیں دیکھ کر خوف کھائیں نوح ابن ملک (حضرت نوح) بلاشبہ ایک ممتاز ہستی تھی۔ آخر میں اُس کے مقابلہ میں کچھ جہنمیت نہیں رکھتا۔ فی زمانہ بڑے بڑے سائنسدان بھی کیا جہنمیت رکھتے ہیں؟ کچھ عرصہ کے لئے کوئی بڑا کارنامہ کیا اور سمجھ کر کام کسی دوسرے کو جو اپنے برابر یا اپنے سے برتر ہو سونپا اور چل دیئے۔ مارکس کا بھی یہی حال تھا۔ لڑنا جھگڑنا تھا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتا تھا اور کسی کو اپنی ہمسری نہ کرنے دیتا تھا۔ اسلئے جو اُس کا بڑا مدارع تھا اور اُس پر برتری بھی رکھتا تھا اُس کے ساتھ ہی چپکا رہا۔ آخر اصلیت ظاہر ہو گئی۔ جس اشتراکیت کی بنیاد اُنہوں نے ڈالی وہ مسئلہ بھی ایک صدی کے بعد ناقص اور ناقص ثابت ہوا۔

آبی چوسنے کو خطاب کرتے ہوئے اور ذرا جھنجھلا کر کہا
فانیات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اور ان ہستیوں کے ممتاز ہونے کا بالکل

at Longfellow at Fingert

خیال نہ کرتے ہوئے اُن سے پوچھنا چاہیے کہ آخر وہ کہا کر رہے ہیں؟ دراصل وہ اُس کام کو کر رہے ہیں جو خدا کا خلافت سے کر رہا ہے۔ اور واقعی اس کام کو نبی خدا کی قدرت سے موید ہو کر اور اس زمانہ کے سب سمجھدار لوگوں کو صُور کرنا ہی چاہیے۔ سچ پوچھو تو خدا بھی انقلاب پسند ہے۔ بالمشوکی تحریک بھی تو خدا کے منشا کو ہی پورا کرتی ہے۔ قدیم زمانہ میں بھی اور اب بھی علما کا بنایا ہوا دین خدا کو ایک مُردہ لاش بنائے ہوئے تھا اور اُس خدا کی پرستش سکھاتا تھا جو ہاتھ تک نہیں ہلا سکتا تھا۔ پھلاروس کو خدا کا دشمن کیوں ٹھہرا یا جاتا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ بالمشوکی لوگ کہتے ہیں کہ مذہب عام لوگوں کے لئے ایک طرح کی اقیون ہے۔ مگر اس کا اشارہ اصلی مذہب کی طرف نہیں۔ علما کے بنائے ہوئے خود ساختہ دین کی طرف ہے۔ انقلاب کے معنی تو یہ ہیں کہ خدا زندہ ہے اور مذہب والوں نے خدا کو اچار کی طرح بوتل میں بند کر رکھا ہے۔ میں نے پیٹروگراد والے کو روس میں وہ عجائب سُر دیکھا ہے جو مذہب کے برخلاف قائم کیا گیا ہے۔ وہ تو علما دین اور توہمات وغیرہ کے برخلاف ہے۔ مگر جس کو ہم خدا کہتے ہیں اُس کے خلاف بالکل نہیں۔ خدا تو ہر زمانے میں فریبیوں اور قدوسیوں اور علما دین اور یہودہ دینی رسومات کے برخلاف جہاد کرتا رہا ہے۔ خدا تو ہے ہی انقلاب پسند اور ایڈنک ایسا ہی رہے گا۔ آؤ ذرا حقیقت کی طرف متوجہ ہوں۔ اس عالمگیر اشتراکی تحریک کی محرک کیا چیز تھی؟ یہ تحریک شروع کس طرح ہوئی؟ کہاں تک یہ ٹھیک تھی؟ غلطی کہاں پر ہوئی؟ اور کونسا نقص باقی رہ گیا؟ آنے والا

انقلاب کہاں تک اشتراکیت کے اصولوں پر قائم ہونا چاہیے؟ اور کہاں تک نئے طریقوں کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے؟ اس انقلاب کی نہ میں (کارل مارکس بھی یہی کہتا ہے) وہی نیا نظام عالم قائم کرنے کی خواہش موجود ہے جو فرانس کے انقلاب کی نہ میں تھی۔ وہ دراصل پہلا انقلاب تھا جس نے عوام کو دولتمندوں اور مذہب کے ٹھیکہ داروں کے پیچھے سے رہائی دلائی اور لوگوں کو آزادی کا مزا چکھایا۔ کارل مارکس نے جس تحریک کی بنیاد ڈالی اُس میں دولتمندوں اور علماء دین کے علاوہ مزدوروں پر جو ظلم سرمایہ دار روا رکھ رہے تھے اُس سے بھی آزادی دلانے کی کوشش کی گئی۔ اُس کا خیال تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام ہی ان سب خرابیوں کی جڑ ہے۔ مزدوروں کو جمع کرنے سے ہی ان خرابیوں کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ پہلے زمانہ کی خرابی اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھی۔ دراصل مارکس اور اُس کے ساتھی (اگرچہ میں بھی مارکس کو برا بھلا کہتا ہوں) نہایت ہی خدا کار انسان تھے۔ یہ یقین جالو۔

(بیچارے پھوٹے سے آئی چوہے نے ایسی باتیں پہلے کبھی نہ سنی تھیں۔ وہ حیران ہوا۔ مگر سمجھ بھی وہاں بیٹھا ہی رہا) اگرچہ مارکس اور اس کے ساتھی خدا کار تھے۔ مگر کچھ زیادہ لوگوں نے ان کی قدر نہ کی۔ اس کی کیا وجہ تھی؟

ہمارا دوست خدا بھی تو انیس صدیاں گزریں جب سے انقلاب کرنا آ رہا ہے۔ اُسے پورا یقین تھا کہ لوگ مان جائیں گے۔ مگر کیا ہوا؟ (ایک نوجوان دولتمند سے ملاقات ہوئی جس کے پاس بہت سی دولت تھی۔ ویسے ہی جب سیکل میں سے

صرافوں اور کبوتر بیچنے والوں کو نکالنا تو اُسے یقین ہو گیا کہ لوگ نیکی کو بیا کر دیتے ہیں اور خدا کی یاد شاہت ضرور قائم ہو جائے گی۔ مگر اُس سے کچھ نہ بن سکا۔ بارہ شاگرد مولیٰ سے آدمی تھے اور ان کا خدا وند مسیح کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کا وہ نہ کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتا۔ خدائے انقلاب کا کیا نتیجہ ہوا؟ تحریک ناکامیاب رہی۔ اور پلوئس رسول جیسے ہوشیار اور چالاک آدمی اندر آ گئے۔ کچھ امیر عورتیں عیسائی ہو گئیں۔ آپ یہ کتاب پڑھیے۔ حواریں بیچا سے رہ گئے اور پادریوں نے زور بکھڑا۔ مسیحیت کی پہلی صدی کے حالات پڑھیے کس قدر خراب تھے۔ ان کے سامنے بھی یہی سوال تھا کہ تحریک کو مل کر کس طرح چلایا جائے؟ نفس تحریک کی کس طرح حفاظت کی جائے اور تحریک کیونکر صحیح طریق پر چلے اور کون لوگ چلائیں تاکہ نیا نظام عالم قائم ہو؟

یہی سوال مارکس اور اُس کے معصروں کے سامنے تھا۔ وہ بھی اسی مسئلہ کا حل سوچ رہے تھے۔ انگلستان کی مزدور جماعت کے متعلق مارکس کو اطلاعات صرف کتابوں کے ذریعہ ہی پہنچی تھیں۔ سیاسیات کے عمل پہلو سے وہ بالکل نا آشنا تھا۔ مزدوروں اور سرمایہ داروں کی کش مکش کے سوال کو بے بیٹھا اُسے یہ خیال آیا کہ جیسے ہی مزدور اپنی خستہ حالی اور غربت کا احساس کریں گے۔ اُسی وقت وہ ایک نیا نظام جو انصاف اور بے غرضی پر قائم کر دیں گے۔ یہ بات اُس کی سمجھ میں نہ آئی کہ دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا واقعہ پہلے ظہور پذیر نہیں ہوا۔ مزدور طبقہ صرف غصہ کھا کر ہی رہ جاتا ہے۔ اور ان کا غصہ بے نتیجہ

2 Irenæus on Marcus, & Labour Union.

ہٹوا کرتا ہے۔ جب مظالم حد سے نتجا وز کر جلتے ہیں تو سولے خون خرابے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ نئے سرمایہ دار پرانے سرمایہ داروں کی جگہ لے لیتے ہیں اور مزدوروں کا غصہ اُترتے ہی پہلے والی حالت پھر رونما ہو جاتا کرتی ہے یعنی دونوں طبقے پھر لڑنے لگتے ہیں۔

سرمایہ داروں اور دوہندوں کو اس بات کا پورا احساس ہوتا ہے یا کم از کم اُن کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ نا انصاف اور فضول خرچ ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مزدور طبقہ بھی اُن کے اس رویہ کو خوب سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ اس بات کے لئے کوشاں رہتے ہیں کہ مزدور طبقہ اُن کا دست نگران رہے اور کبھی مساوات کا دم نہ مارے۔ کیونکہ ایسا نہ ہونے سے اُن کے اقتدار اور رعب میں فرق آ جاتا ہے۔ اُس پر ہی تو اُن کی طاقت کا انحصار ہٹا کر تلسے۔ اس لئے سرمایہ دار اور امیر لوگ انتہا پسند طبقے سے کٹ کر خوف کھاتے رہتے ہیں اور انقلابا پسند طبقوں سے متنفر ہوتے جاتے ہیں۔

غریب طبقہ جوں توں کر کے زندگی گزار لیتا ہے۔ اُن کو اتنی سمجھ کہاں کہ وہ امیر طبقے کا مقابلہ کریں ؟ وہ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ امیر اُن کا خون چوس رہے ہیں۔ بلکہ وہ تو اپنی حالت پر شاکر رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے یہی مقدّر ہوا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب طبقے کا انقلاب دعویٰ ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا خیال تو ایک نیا نظام عالم قائم کرنے کا تھا۔ مگر اُن میں سے بعض جو زیادہ سمجھدار اور چالاک ہوتے ہیں وہ اپنے حقوق طلب کرنے لگتے ہیں۔ باقی مزدور بھی اُن کے ایسا کرنے سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ یہ انقلاب

وہ انقلاب نہیں جسے مارکس لانا چاہتا تھا۔ دوسرے طبقوں کے لوگ مثلاً غریب اور طلباء۔ امیروں کے لڑکے اور حُکام کے لڑکے اور دیگر متوسط طبقے کے لوگ بھی اس انقلاب میں شامل ہو جاتے ہیں اور ہلڑ مچا دیتے ہیں۔ ہر طرح کے مصائب برداشت کرتے ہیں۔ مزدور طبقے کے ساتھ ہر طرح سے ہمدردی دکھاتے ہیں۔ بال اور ڈاڑھی نہیں منڈواتے اور قمیض پنٹوں سے باہر نکال کر پہننے لگتے ہیں۔ بھلا کہیں انقلابات اس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں؟ انقلاب کا لانا بڑے ہوشیار اور لائق آدمی کا کام ہوا کرتا ہے۔ ایسے لوگ بڑے کشادہ دماغ اور عالی ہمت ہوا کرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ نیا نظام عالم کیسا ہوگا۔ بھلا ایسے لوگ کبھی چھپے رہ سکتے ہیں؟ وہ مرد میلان ہو جاتے ہیں!

امریکہ اور فرانس میں جیب پہلے پہل اشتراکی تحریک شروع ہوئی تو وہ لوگ بڑے آزادی پسند تھے چونکہ وہ خود آزاد ہو گئے تھے انہوں نے ایک غلطی کی۔ وہ سمجھے کہ کثرت آراء یا دانائی سے کام لینا ایک ہی بات ہوا کرتی ہے۔ اور مساوات اسے ہی کہتے ہیں۔ اگر حکومت لوگوں کے ہاتھ میں آگئی تو وہ خواہم کے فائدے کے لئے حکومت کو چلائیں گے۔ چنانچہ اشتراکیوں نے اول ہی اول یہ غلطی کھائی۔ جوں جوں ان کی تحریک زور پکڑتی گئی اصلیت ان پرکھتی گئی۔ جس آزادی کو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے وہی آزادی پاؤں تلے روندی گئی۔ اندرونی نظام ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا جو سچلے طبقہ کے تھے اور جو عقل سے بے بہرہ تھے اور صرف حکومت کے خواہاں تھے۔ چنانچہ روس میں یہی بات ہوئی۔ آخر تحریک ایسی لپٹی پر پہنچ گئی کہ اس ملک کی آئندہ ترقی بالکل رک

گئی۔

امریکہ میں انقلاب اور طرح سے ہڑا اور وہاں بھی نتیجہ اچھا نہ نکلا جو نظام حکومت وہاں بنا یا گیا اگرچہ اچھا تھا مگر اختیار و کیلوں کے پاس چلا گیا جو سیاست دان بن بیٹھے اور لگے اپنا حکم چلانے پہلے دندان سازوں کے ہاں ایک کڑی سی ہڑا کرتی تھی جو سر کو جکڑتی تھی۔ اس سے دانت نکالنے میں آسانی ہوا کرتی تھی۔ امریکہ میں آزادی کیا تھی گویا اس کے دانت نکال دیئے گئے ہوں۔ وہ آزادی کس مصروف کی؟ لوگ یا تو Democrat ہیں یا Republican اور اگر غیر جانبدار ہوں تو کچھ بھی نہیں۔ امریکہ والے نظام حکومت کے ساتھ اسی طرح بندھے ہوئے ہیں جس طرح خدا اپنی کائنات میں بندھ رہا ہے۔ آپ اسی سے نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان کی کیا حالت ہوگی؟ اگر یہ تباہ کن جنگ کہیں وہاں جا پہنچی تو آزادی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ مقابلہ تو زور کا ہوگا مگر ہاتھ بندھ رہے ہوں گے!

جب یہ سب کچھ نظر آ رہا ہے اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو سوچا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ہم نئے سرے سے کچھ کریں۔ انڈیا کی تحریک تو ہمارے سامنے ہے ہی اسے ہم دیکھ بھال چکے ہیں۔ ابھی تو ہے مگر نامکمل ہے۔ سوال وہاں کا وہاں ہی رہ جاتا ہے۔ دو متضاد باتوں کو ایک جگہ جمع کرنا محال ہے۔ ایک طرف تو ہماری یہ خواہش ہے کہ دانائی اور فلاحیت سے کام لیا جائے اور کوئی چیز اس میں خارج نہ ہو۔ دوسری طرف ہم خواہم سے یہ توقع رکھتے

۷۴ امریکہ میں دو سیاسی گروہوں کے مابین

ہیں کہ وہ اس نئے نظام کے قائم کرنے میں ہمارے مددگار نہیں اور کسی قسم کی
رضخہ اندازی اور مندرارت نہ ہونے پائے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟
(اب نوح ملک ذرا دھیمنی آواز میں کہنے لگا)

مجھے ان باتوں کے دہرانے میں کوئی غار نہیں۔ میں یہ باتیں ذہن نشین
کرنا چاہتا ہوں۔ برگزیدہ لوگوں کا ہمارے اندر ہونا لازمی بھی ہے اور ان سے
ہمیں خطرہ بھی ہے۔ سب سے پہلے تو یہ ڈر ہے کہ چونکہ وہ لوگ لائق اور سمجھدار
ہیں حکومت ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ امیری اور حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ
میں ہونے سے وہ کب اس بات کو پسند کریں گے کہ عوام آزاد ہوں؟ بلکہ ان کی
تویہ کو مشن ہوگی کہ لوگ دیے رہیں اور اگر کوئی ان کے مقابلے پر کھڑا بھی ہو
تو گرا دیا جائے گا۔ ان میں جو لوگ ذرا زیادہ ہوشیار اور قابل ہوں گے وہ
طاقت پکڑ جائیں گے۔ پہلے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا ہے حکومت چند برگزیدہ
آدمیوں کے ہاتھوں میں آجایا کرتی ہے۔ بھلا ہماری کنشٹی کیونکر ایسے لوگوں سے
بچ سکے گی؟ ہمیں بھی زیادہ سختی اور جوش اور ہوشیار سی سے کام لینا
پڑے گا۔ اس بیماری کا علاج کوئی سادہ ٹوہ ہے نہیں۔ کاش کہ نماز پڑھنے اور
روزہ رکھنے سے کام چل جاتا!

پھر نوح ملک نے آبی چوہے کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔
عوام کے لئے تو یہ سوال مشکل نہیں۔ ان میں بے چینی پھیلانی جا سکتی ہے
مگر شرط یہ ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت ہو وہ وفادار ہوں۔ ان کی
حرکات کی نگرانی کرنی ہوگی۔ جو لوگ اس قسم کی عالمگیر تحریکیں کو جو عوام کو پسند

ہوں چلانا چاہتے ہیں میں اُن کے حق میں ہوں۔ خاص کر جب انسان کے حقوق کا سوال درپیش ہو۔ ایسے حقوق کو طلب کرنے سے لوگوں کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا سیکھتے ہیں۔ مثلاً سو سال گذر چکے جب سے لوگ آزادی اور حقوق کی آواز اٹھانے لگے۔ تب سے کس قدر ترقی ہوئی ہے؟ گویا انسان اپنے مقام کو سمجھنے لگا ہے۔ جب کبھی وہ اس بات کو بھول جائے تو اُسے یاد دلا دینا چاہیے تاکہ وہ پھر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ چند ایسے آدمی ضرور ہونے چاہئیں جو ہمیشہ اس بات کی یاد دلاتے رہیں اور لوگوں کو بیدار کرتے رہیں۔ اکثر عوام کو دھوکا لگ جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ برگزیدہ لوگوں ہیں۔ بھی تو ایسے نکتہ چین پیدا ہو جایا کرتے ہیں [مثال کے طور پر] (دیکھو نوٹ) [جو خود دنیا سے بیزار ہو کر رہتے ہیں۔

یاد دلانا ہم جیسے لوگوں پر بھی فرض ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہم جو کشتی کے بنانے والے ہیں کہاں تک اپنے آپ کو بمقابلہ اُس مقصد کے جو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں بھول سکتے ہیں۔ یہ بہت ہی مشکل کام ہے۔ مصائب کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ کئی قسم کی تکلیفیں جھبانی ہوتی ہیں بہت محو و غافل شخص ہوں گے جیسا کہ مذہب اور دیگر اصلاحی تحریکوں کی تاریخ سے ظاہر ہے) جو کامیاب ہوئے ہوں گے۔ گویا یہ کشتی والی تجویز بالکل ترائی ہے۔ یوں سمجھو کہ ایک نیا طریق زندگی یا یوں سمجھو کہ ایک نیا مذہب ایجاد کیا جاتا ہے اور ہم میں وہ پیتارا اور قبر بانی ہونی چاہیے جو آج سے پہلے کبھی ظہور میں نہیں آئی۔ اور اس کی دلیل یہ ہے

Voltaire, Montaigne, Shaw & Butler.

کہ اگر ایسی بات ہوئی ہوتی تو ہم اس موجودہ دنیا ہی کو نہ دیکھ پاتے۔ گویا اس قسم کی قربانی اور ایثار پہلے کبھی نہیں دکھایا گیا۔ قربانی کو جانے دیکھئے اس زمانے میں ایسے عالی دماغ انسان موجود نہ تھے۔ یہیں تو تن من و حن سب کچھ قربان کرنا ہوگا۔

اس بات کو یاد رکھیے۔ اس نئی کائنات میں سوار ہونے والے بڑے سمجھدار لوگ ہونے چاہئیں اور وہ سب یکدل ہوں۔ فی زمانہ بعض بنیادی اصول پر بھی لوگوں کا اختلاف ہے۔ یہ بالکل نہ ہونا چاہیے۔ اگر ایسا ہوا تو کشتی اٹک جائے گی۔ صرف ایک خیالی ہی درست یعنی حقیقتِ اصل یہ ہو سکتا ہے۔ باقی سب خیالوں کو ترک کر دینا چاہیے۔ اگر کشتی میں ہم سب ہم خیال ہوں گے تو ساری دنیا پر قابو پا سکیں گے۔ آنے والی نئی دنیا میں آزادی خیال تو ہوگی مگر ایسا نہ ہوگا کہ آپ جو جی چاہے سو خیال کر لیں۔ سب سے پہلے قابلِ غور خدا کا تخیل ہوگا۔ اسی خیال نے تو دنیا میں نیکی اور اتحاد کو اب تک قائم رکھا ہے۔ وہی خیال میرے دل میں بھی مضبوطی سے جم رہا ہے۔ خدا نے ہی اس خیال کو میرے دل میں ڈالا ہے۔ اور یہ ہیں سب کچھ اُسی کی وجہ سے بیان کر رہا ہوں۔ مگر سچ پوچھو تو اب خدا عقل کے مقابل میں بالکل نہیں ٹھہر سکتا اور تباہ ہوتا جاتا ہے۔ اُس کی مدد سے میں کشتی کو چلاؤں گا۔ مگر جب وہ چل دے گا تو میں یعنی نیا آدم اکبلا ہی کشتی کو چلاتا رہوں گا۔

اس پہرے تخیل میں اور نئے میں جو بنیادی فرق ہے اُسے خوب سمجھ

بنا چاہیے۔ ہزاروں دارالعلوم کے فلسفہ کے اُستاد دنیا میں تصریح کرتے
ہوتے ہیں مگر وہ اصل مطلب کی طرف رجوع نہیں ہوتے۔ دو مختلف تخیل
ہمارے سامنے ہیں اور ہم نے اُن میں سے ایک کو اختیار کرنا ہے۔ ایک تو
بڑانا اور قدیم خیال ہے جس کے مطابق دُنیا ایک خاص وقت پر ظہور میں
آئی اور خدا نے اُسے خلق کیا اور پھر اُسی نے حضرت آدم کو بنایا اور بعد میں
ایک ہوا کچھ بپتہ نہیں چلتا۔ اب آخری منزل اس تخیل کی علم نفسیات ہے
بس کے مطابق ایک حقیقت واحدہ آخر ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے
ہے جو انسان کے نفس کے منخلق اب تک تحقیق ہو چکا ہے۔ (نوع لک
اُسی آبی چو ہے سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ یہ خیال شریف میں! مگر وہ بیچار
ایک ہوتا چُپ پڑا رہا)

ایک دوسرا خیال جو پہلے کی نسبت بالکل مختلف ہے اور نیا بھی ہے
اسے ”علم تمدنی انسانی“ بھی کہتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے اندر
کوئی حقیقت واحدہ نہیں۔ بلکہ بہت عرصہ باکر بکھری ہوئی کائنات میں
ہستہ آہستہ ایک نظام ظاہر ہوا جو انسان کے نفس کو بھی منظم کرنا لگیا اور
بال برابر جاری ہے۔ گویا آنے والی دنیا میں اتحاد اور آشتی اور محبت
اصول (جو قدرت میں پہلے سے ہی موجود ہے) ظہور پذیر ہوگا۔ اسلئے
لوگ اس کشش میں سوار ہوں گے البتہ وہ بیکدل ہونے چاہئیں اور یہ
شے بالکل صاف کر دینا چاہیے تاکہ بعد میں اس موضوع پر بحث مباحثہ

نہ ہو۔ گویا نئی دنیا کے باطن میں (غور سے سنئے گا) خدا کا انکار۔ کائنات کا جاری رہنا اور علم نفسیات کا عمل مضمر ہونا چاہیے۔ اگر ہم مل کر اس کام کو کریں گے تو دنیا بھی ترقی کرے گی اور ایک عالمگیر حکومت بھی قائم ہوگی۔۔۔۔۔۔۔۔

معتز کہتا ہے کہ پھر آپ خدا کو کشتی میں ساتھ کیوں لئے جاتے ہیں میں کہتا ہوں اس میں کیا حرج ہے؟ خدا دراصل ایک موہوم ہستی ہے اور ہم اُس سے یہ بات صاف کہہ دیں گے۔ ایسا کرنے سے اصلی خدا کا پتہ لگ جائے گا۔

استنہ میں ہلکی سی ہوا درختوں کی سناخوں میں سرسرنے لگی۔ نورج ملک سمجھا کہ کوئی شخص آیا ہے۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ صرف ہوا کا جھونکا تھا اور بس!

حبیب کوئی شخص پورے طور پر اُس نئے ارتقائی نظام کی اصل حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو پھر وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ اُس کے لئے قسم کی قربانی کیے جیٹی کہ جان نیک قربان کرے۔ تب وہ شخص محقق بن جاتا ہے اور منظر نہیں رہتا۔ اس لئے ترقی کرتا ہے۔ اگر کشتی میں اس قسم کے اشخاص موجود ہوں گے تو سمجھو ایک طرح سے کشتی رائل سوسائٹی کی طرح مضبوط ہوگی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں تحریر و تقریر کی مکمل آزادی ہونی چاہیے تو ہم ترقی کر سکیں گے۔ ہمیں بڑا محتاط رہنا پڑے گا۔ ایسا نہ ہو کہ پرانے خیالات

(نوٹ) یہ انگلستان میں سائنسدانوں کی سوسائٹی ہے۔ Royal Society

کے لوگ پھر ہمیں گمراہ کر رہے ہیں اور بہکا دیں۔ اس لئے حقیقت ظاہر کر دیجی ہوگی۔ تاکہ ہر شخص اُسے اچھی طرح سے جان لے۔ جس نے سنا ہے کہ چین میں بچوں کو چینی اور شیشے کے برتنوں میں ڈال دیا کرتے تھے تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر ہنسیں اور خوش ہوں۔ مذہب کو بھی ہم نے فی زمانہ اسی قسم کا نمائندہ بنا رکھا ہے۔ جو لوگ کشتی پر سوار ہوں وہ کھلے ہوئے دماغوں والے ہوں اور آزاد خیال بھی ہوں اور سونے کی طرح بالکل گھبرے ہوں۔ یہ کشتی ہی تو آنے والی نئی دنیا بنائے گی۔ ہمارا مرکزی ادارہ مضبوط ہونا چاہیے تب ہی تو دوسرے ملحق ادارے خاطر خواہ ہوں گے۔ کام تو نہایت ہی مشکل ہے اور پہلے کبھی انسان کو ایسی مشکل پیش نہیں آئی۔ جب ہم غور سے دیکھتے ہیں اوصاف ظاہر ہوتا ہے کہ افراد جب نوع بشر سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں تو تباہ ہو جاتے ہیں۔ اُن کی نجات اسی میں ہے کہ وہ دوسروں سے مل کر کام کریں۔ فی زمانہ انفرادی زندگی ممکن نہیں۔ اپنے آپ کو نوع بشر کے ہونے کو دینا گویا زندگی ہے۔ ورنہ ہمیشہ کے لئے مر جانا ہے۔ آخر انفرادی حیثیت میں انسان کیا چیز ہے؟ اُس کی کوئی قیمت نہیں جس طرح صندوق سے مہرے کے لئے اندھیرے میں روشنی چمکتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے یہی حال انسان کا ہوتا ہے۔ اگر انسان دوسروں کے لئے جیتتا ہے تب ہی زندہ رہ سکتا ہے۔

(آبی چوہے نے جب یہ سب کچھ سنا تو ڈرا اور اُس نے پانی میں اپنی لگائی اور غائب ہو گیا۔)

نوح لمک وہاں سے اُٹھا اور آبی چوہے کو تو بالکل بھول گیا اور کہنے لگا۔ یہ تو سب کھٹی ہوئی باتیں ہیں۔ چلو چلیں اور اُس تحریری یادداشت کو مکمل کریں۔ شائد وہ پورے شریف آدمی (خدا) پھر آجائے۔ ایسے انشخاص کی بھی تلاش کرنی چاہیے جو آتے والی دنیا کو تعمیر کر سکیں۔ اگرچہ حالات بہت خطرناک ہیں مگر دنیا بھی بہت بدل چکی ہے۔ ایسے شخص مل ہی جائیں گے۔ فی الحال اُن کے نام ذہن میں نہیں آتے۔

تیسرا باب

نارضا مند سواریاں

نوح لمک ایک کشتی کے لئے سوار یوں کی تلاش میں نکلا۔ چونکہ اُن کے نام اُس کے خیال میں نہ آتے تھے وہ ایسے گروہوں کے متعلق باقاعدہ سوچنے لگا جن میں سے افراد کو چُن لیا جائے۔ چنانچہ اُس نے ہر گروہ اور ہر حیانت کی طرف نظر دوڑائی۔ پہلے دولت مند طبقے کو لیا جنہوں نے دولت ورنہ میں پائی تھی اور صاحب اختیار اور اقتدار تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو امارت پسند ہیں۔ مگر ظاہر ایسا کرتے ہیں کہ انہیں روپے پیسے سے کچھ بھی لگاؤ نہیں۔ اس طبقے کے اکثر لوگ ایک نئی دنیا بنانے کے خیال کو بھلا کیونکر پسند کرتے!

وہ تو پہلے سے برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں۔ انہیں کیا غرض بڑی ہے کہ نئی دنیا بنے؟ اسی لئے تو وہ لوگ بالمشوکیوں سے اور انہما پسندوں سے خوف کھاتے ہیں اور اپنی جان اور عزت کو بھی قربان کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ بشرطیکہ کسی نہ کسی طرح ان کی دولت برقرار اور ان کا اقتدار باقی رہے۔ مگر یہ طبقہ جمود کی حالت میں ہے اور ترقی نہیں کرتا۔ جو امیر لوگ سمجھدار ہیں وہ بیکار سے ہو گئے ہیں اور ان کی اولاد جوانی کے جوش میں انقلاب پسند ہوتی جاتی ہے۔ نوح ملک نے سوچا کہ امیر زادے انقلاب چاہتے ہیں۔ وہ عوام کو تو پسند نہیں کرتے مگر خود آزاد ہونا چاہتے ہیں اور ذہنی آزادی کے خواہاں ہیں۔ کسی زمانے میں ایسے نوجوان امیر زادوں نے ہی عوام کو آزادی کا پرچہ دلایا تھا اور لوگوں کو مذہبی توہمات سے رہائی دلوائی تھی۔ اطالیہ اور انگلستان میں جو ترقی سائینس میں ہوئی انہی کی وجہ سے ہوئی۔ مشرقی ممالک میں ایسے لوگ ہی علوم و فنون کی سرپرستی کرتے رہے۔ سوال تو یہ ہے کہ ایسے سمجھدار اس بڑے طوفان کے سامنے جو سب دنیا کو گھیرے ہوئے ہے کیا رویہ اختیار کریں گے؟ کیا اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں کشتی دی جاسکتی ہے یا انہیں مارٹر ٹچے سے لے کر برقی ٹکس تک کتنی ہی ممتاز ہستیاں ہمارے درمیان ہو گزری ہیں جو بڑی انقلاب پسند تھیں اور جو چاہے کتنا ہی نقصان ہو جاتا بات کو صاف صاف کہہ دیا کرتی تھیں اور چونکہ وہ خود ذہنی طور پر آزاد تھے ان کے دیکھا دیکھی دیگر مصنفین اور ماہرین بھی آزادی سے اپنے خیالات کا

ۛ Magna Charta ۛ Byron ۛ Bertie Russel

اتھار کیا کرتے تھے اور جو دل میں آتا وہ لکھتے۔ ہماری کشتی میں اس قسم کے آزاد خیال جو ان دلسے بھی ہوں سوار ہو سکتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کب تک وہ ایسے آزاد خیال رہ سکیں گے اور ساتھ ہی ان کا غور بھی بد قرار رہے گا یا نہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی دوسروں کی مانند ہو جائیں اور پھر کون ان میں سے کشتی کے مصروف کارہ جائے گا؟ ہمیں ضرورت ہے ایسے لوگوں کی جو سمجھا رہی ہوں اور ساتھ ہی بہت دلسے بھی ہوں۔

پھر یہ امیر زادے کھڑے! اکثر ان میں سے قدامت پرستی سے تنگ آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ماضی میں تو وہ کئی ایک بڑائیوں کا شکار ہو جا کر تھے۔ دور دراز ملکوں میں چلے جاتے۔ وہاں دولت کماتے یا ملک گیری میں مشغول ہو جاتے۔ ان میں سے جو ذرا زیادہ سمجھا رہے ہوتے وہ انقلاب پسند ہو جانے اور اسی قسم کی کتا پیس پڑھنے لگتے یا کسی فن میں مہارت حاصل کر لیتے۔ کیا ہماری کشتی کو شیخ جیسے آدمی میسر آ سکتے ہیں؟ وہاں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس کا کوئی آمدنی کا ذریعہ نہ ہوتا تو وہ کیا کرتا؟ فی زمانہ اکثر امیر زادے نوجوان فوج میں بھرتی ہونا پسند کرتے ہیں۔ جب یہ مصیبت ہم پر نہ آئی تھی تو اوریات تھی۔ یہی نوجوان چار حصوں میں متقسم کئے جاسکتے تھے۔ پہلے تو وہ جو بڑے بڑے عہدوں کے پیچھے دوڑا کرتے تھے اور جن کا یہ خیال تھا کہ سب کام حسب معمول ہوتا ہی رہے گا۔ دوسری قسم کے وہ نوجوان تھے جو دیکھتے تھے کہ آفت سر بہ آ رہی ہے اور اپنی امیری اور رقتہ اور کو چھوڑنے کے لئے تیار

(نوٹ) ایک مشہور شاعر ہوگند را ہے۔ Shelley لے

بھی تھے مگر لاپرواہی کی وجہ سے اپنے خیالوں میں ہی مست رہتے تھے۔ تیسری قسم کے وہ نوجوان بھی تھے جو جانتے تھے کہ اُن کی امارت خطرے میں ہے وہ بالشوکی خیالوں کا مقابلہ کرتے تھے اور دوسرے نوجوانوں کو بھی اُس طرف جانے سے روکتے تھے۔ چوتھی قسم کے امیر زادے وہ تھے جو بالکل انقلاب چاہتے تھے اور انقلاب پسند لوگوں کے زیر اثر تھے۔ مگر انہما بہند نہ تھے۔

ان میں سے چوتھی قسم کے نوجوان کشتی کے مطلب کے معلوم ہوتے ہیں جو امیر زادے نوجوان انگلستان اور امریکہ جیسے ممالک میں اشتراکی خیالی کے بن جاتے ہیں، اُن کی حالت بھی ویسی ہی ہوا کرتی ہے جس طرح مارکس کے زمانہ میں اُن لوگوں کی تھی جو ایک دوسرے سے بڑھ کر بڑا بننا چاہتے تھے۔ دونوں حالوں میں ماحول کا اثر کام کرتا ہے۔ مثلاً اگر شہلی کے زمانے میں اشتراکی تحریک ہوتی تو ممکن تھا کہ وہ شاعر بھی اُن میں شامل ہو جاتا۔ کچھ عرصہ کے لئے اُس کے زیر اثر ضرور آ جاتا۔ چاہے بعد میں وہ اشتراکیوں کے برخلاف ہی ہو جاتا۔ نوجوان شروع شروع میں انقلاب پسند ہونے کی وجہ سے اُس طرف جھک جایا کرتے ہیں۔ اُنہیں بعد میں فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ اپنی ضد پر اڑے رہیں یا اُن خیالات کو ترک کر دیں۔ بیچاروں کو زیادہ سمجھ تو ہوتی تھیں اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آج وہ نوجوان اشتراکی ہوں اور بڑی ڈینگیں ہانکتے ہوں اور کل جب ہونش میں آئیں تو کشتی میں داخل ہو جائیں۔

فی زمانہ شہروں میں کسان اور اُن پڑھ لوگ بہت کم رہ گئے ہیں۔ بھلا ہماری کشتی میں آکر وہ لوگ کیا کریں گے جن کو اتنی تمیز نہیں کہ روس

کی سالانہ ۱۹۱۶ء میں کیا تھی اور اب ۱۹۴۰ء میں کیا ہے؟ موجودہ انقلاب کچھ اور طرح کا ہے۔ کم از کم اتنی تو سمجھ ہوئی چاہیئے تاکہ فرق کیا جاسکے۔

نوح ملک پچھلے بیس سال میں انگلستان اور امریکہ کے ملکوں میں جو کچھ اشتراکیت کے متعلق شائع ہو چکا تھا اُس پر نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگا کہ اُس زمانے میں لوگ اس روسی تحریک کے بڑے دلدادہ ہو کر تھے۔ اپنی عقل تو بالکل استعمال ہی نہ کرتے تھے! اشتراکیت کی تحریک دراصل مغربی ممالک میں شروع ہوئی اور وہاں ہی پھیلی پھولی۔ مگر تحریک میں جو لوگ شریک ہوئے وہ اُسے دیر تک چلانے سکے۔ بات یہ ہوئی کہ وہ سیاسی گورکھ دھندے میں لگے۔ سیاست تو ایک ٹیڑھی رکھڑھی اور بے بھی بے معنی۔ جب کوئی تعمیری کام کرنا یا لوگوں کو آزادی دلائی منظور ہوتی ہے تو اشتراکیوں کے بنائے ہوئے قوانین درمیان میں حائل ہو کر سب کام بگاڑ دیتے ہیں۔ نہیں بلوم یہ مغربی نوجوان کیوں روسی نظام میں تغیر و تبدل نہیں کرتے؟

نوح ملک نے خیال کیا کہ شاید اس قسم کے امارت پسند اشتراکیوں کو وہ نہ سمجھ سکا۔ شاید وہ خود اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہوں گے۔ کہتے لگا مجھے تو ایسے لوگوں سے کچھ توقع نہیں۔ جب کشتی تیار ہوتی ہو تو کچھ ذرا سا کام کر دیں گے۔

امیروں کے پیسے کو چھوڑ کر اب نوح ملک ہمیشہ ورگروہ کی طرف متوجہ ہوا۔ کہتے لگا۔ دیکھیں اُن کے گھروں اور بال بچوں کا کیا حال ہے۔ اس

بٹنے میں چھوٹے اور بڑے نہیں ہوتے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ عورتیں جو ذرا متمول گھرانوں کی ہوتی ہیں ان کے کپڑے کم متمول گھرانوں والی عورتوں کے مقابلہ میں ذرا زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ مگر پوچھا کہ ان کی طرز اور فیشن میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ پو دو بلاش اور معاشرت تقریباً یکساں ہوتی ہے۔ ہاں اڈل انڈر کچھ زیادہ سلیقہ رکھتی ہیں۔ مگر ایسی مصیبت کے وقت کچھ ایسا فرق معلوم نہیں ہوتا۔ امیروں کے طبقے کے مقابلہ بہر حال ان میں غرو بہت کم ہوتا ہے۔ مثلاً وکیل اور ڈاکٹر وغیرہ اپنی شہرت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اس طبقے کے لوگ بڑے تعلیم یافتہ ہوا کرتے ہیں۔ اور امیروں کی نسبت زیادہ سمجھ دار بھی ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ لوگ سوچ کر ہوا کرتے ہیں اور حالات کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ آفت ان کے سر پہ ہے۔ مگر نقص یہ ہے کہ سوائے اپنے پیشہ کے علی زندگی کا ان کو کوئی تجربہ نہیں ہوتا اور وہ کوئی ذمہ داری اپنے سر پر لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یہ لوگ سیاسی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔ ہاں اگر کوئی وکیل یا بیرسٹر ڈاکٹر یا تاجر کی دوسری بات ہے۔ وہ بھی خاص طرح کی سیاست میں حصہ لیتا ہے اور اس کی سیاست اس مصیبت کے وقت کچھ کام نہیں دیتی۔

پیشہ ور طبقے کے لوگوں کے لڑکے اور لڑکیاں جن کی تعلیم پر ان کے والدین بہت رویہ خرچ کرتے ہیں امیر نادوں کی طرح اُمنی چا۔ شمول میں بٹ جاتے ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ہاں یہ ان کی طرح اُسنے جوتیلے نہیں ہوتے۔ اپنی ڈگریوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ وہ کب اس کشتی

ۛ Degrees

کے نزدیک آئیں گے؟ کہیں گے خیال تو بہت اچھا ہے اور خوب تعریف کریں گے۔
 ہیں تو ان کو خوب پہچانتا ہوں۔ کوئی نہ کوئی بہانہ کریں گے۔ "اس ہفتہ میں
 بہت کام ہے۔" اگلے ہفتہ ریڈ کرائس یا زائے لگے والا ہے اور میری بیوی
 وہاں جانا چاہتی ہے وہ اکیلی کیسے جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ فرض اس سلسلے
 کے سامنے طبقے کا یہی حال ہے۔ چونکہ کچھ زیادہ خوشحال طبقہ نہیں۔ اس
 لئے ایسے مسائل کو کس طرح سوچ سکتا ہے؟ مجھے تو ان کے بچاؤ کی کوئی
 صورت نظر نہیں آتی۔

اب ہے پادری اور مدرسوں کے استاد اور خیال نویس۔ شاہد یہ
 کچھ کام دے جائیں۔ پادریوں کی جماعت تو کچھ نہ کر سکے گی۔ ان کے دماغ تو
 تفسیروں میں الجھے رہتے ہیں۔ اس میں تو شک ہے کہ قدیم زمانے میں جو
 لوگ گرجوں میں رہا کرتے تھے اور مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ انہوں نے لوگوں
 کے سدھار کے لئے بہت کچھ کیا۔ مگر موجودہ زمانے کے پڑھ لکھنے والے پادری
 خدا کے متعلق اتنا ہی جانتے ہیں جتنا کچھ میں جانتا ہوں اور وہی راستے
 رکھتے ہیں جو کہ میں میرے خیال میں تو وہ کتاب مقدس کو غور سے پڑھتے
 بھی نہیں اور ان کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ موجودہ مسائل کا حل اپنے
 دعوؤں میں پیش کر سکیں؟ ہاں اس زمانے کے ماحول نے ان پر اپنا اثر
 ڈالا ہے۔ مگر سامعین کا کیا علاج اسے خیال تو ان کو اضطراب میں ڈال دیں گے
 میں بعض بنیادیوں کو سمجھاؤں گا۔ مگر وہ مجھ سے لڑ پڑیں گے۔ وہ روحانیت

پہنڈور دیں گے۔ اگرچہ انہیں اس کے متعلق خاکہ بھی معلوم نہیں۔ پیر خدا سے کہوں گا کہ وہ جا کر ان کو سمجھائے۔ مگر حیرانی تو اس بات کی ہے کہ خدا لائٹ پادری یا کسی اور بڑے پادری کے پاس ملاقات کرنے کیوں نہیں گیا؟ میرے پاس کیوں دوڑا ہوا آیا؟ شاید خدا پادریوں کو پسند نہیں کرتا۔ جس طرح کی پوشاک پادری لوگ پہنتے ہیں اُس سے پسند نہیں!

اب رہے مدرس اور ایسے ویسے اخبار نویس۔ یہ لوگ چونکہ بڑے ہوشیار ہوتے ہیں اپنے پیشہ کی حدود سے باہر نہیں نکلتے۔ مزارعوں اُستادوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا ہوگا۔ آخر ہم ان بچوں اور نوجوانوں کو کس قسم کی تعلیم دے رہے ہیں؟ اس تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ مرتے وقت یہ نوجوان کیا کہیں گے؟ اور کیا معلوم کیا مرجائیں۔ ایک سال میں یا ایک مہینے میں۔ کون جانتا ہے؟ کس قسم کی تعلیم ہم ان کو دے رہے ہیں؟ ان کے دل میں یہ سوال پیدا تو ہوتا ہے مگر کیا کبھی وہ منجیدگی سے اس پر غور بھی کرتے ہیں؟ اگر رائیں جاگیں اور منتظمین کو نئے خیالات سے آگاہ کریں تو کچھ بات بھی نہ کہ جب میں ایسے لوگوں سے درخواست کروں گا کہ چلو کشتی میں تو وہ کہیں گے ہمیں تو بچوں کی جان بچانی ہے۔ شہر خالی کرنے میں اور بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرنا ہے۔ خدا جانے امتحانوں میں کیا ہوگا۔ وہ کیوں میری طرف متوجہ ہوں گے؟ یہ تو وہی بات ہوئی کہ آندھی چل رہی ہو اور عرب کے بدو لوگوں سے یہ کہا جائے میاں بہ جھاڑو بڑی اچھی ہے اسے خرید لو۔ اب

Archbishop of Canterbury

رہے اخبار نویس۔ یہ لوگ ہر روز کوئی نہ کوئی نئی خبر سُنتے ہی رہتے ہیں۔ آج ایک خبر تازہ اور سچی اور عجیب ہے۔ کل دیہی خبر کچھ بھی وقت نہیں گزنی ہم جیسے لوگ اپنے مطالعہ کے کمرے میں بیٹھے پڑھتے رہتے ہیں۔ وہ کیا جانیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ مگر اخبار نویسوں کے پاس ہر طرف سے خبریں اڑی چلی آتی ہیں۔ اگر ان سے آکر یہ کہا جائے کہ بھائی دیکھو دنیا تباہ ہو رہی ہے۔ تم مرے میں بیٹھے تماشا دیکھ رہے ہو۔ تو وہ کہیں گے بلخاری دفتر میں یہی حال ہے۔ ہم کیا کریں؟ اگر میں اُن سے کہتا ہوں کہ بھائی کچھ بچاؤ کی صورت سوچو۔ تو اخبار نویس جواب میں کہتے ہیں ہم کیا کر سکتے ہیں؟ تم تو جانتے ہی ہو اور ہم بھی جانتے ہیں کہ دنیا ختم ہونے والی ہے۔ اب بچائیں تو کیسے؟ وہ گھڑی تو اسے گی ہی چاہے کوئی سوتا ہو یا جاگتا ہو۔

اخبار نویس کہیں گے۔ تمہارے کشتی والے خیال کا مذاق تو اڑایا جا سکتا ہے۔ ایک کارٹون اس قسم کا بنایا جاسکتا ہے جس میں دو بلیاں اور دو بھیڑیں کشتی پر آپ کے پیچھے پیچھے چلی جا رہی ہوں۔ آج کل اخباروں میں لوگ یا تو جنگ کی خبریں پڑھ لیتے ہیں یا کارٹون دیکھ بیٹھتے ہیں۔ یہ ہے حال اخبار نویسوں کا۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ تباہی نزدیک ہے! وہ تو صاف صاف کہتے ہیں کہ بھائی ایسے مضامین مت لکھو جو شائع نہ ہو سکیں اور بیچاؤ کریں بھی کیا۔ مجبور ہیں۔ کوئی ہی ایسا ہوگا جو ذرا دل کا مضبوط یا یقین میں پکا ہو۔ اُن کے اظہار مختلف ہونے لگے ہیں میری کشتی میں بھی

رنگارنگ کے لوگ سوار ہوں گے۔ کوئی کہے گا میں اُس کے ساتھ نہیں رہتا۔ اگر وہ ہوگا میں نہیں آؤں گا۔ اصولی اختلاف نہ بھی ہو تو بھی قرونی اختلاف تو ذرا سنی بات پر ہو ہی جائے گا۔

مجھے اس بات کا خیال نہ رہا کہ ہماری کشتی میں عورتوں کا ہونا بھی لازمی ہے۔ عورت ذات بڑی ہوشیار ہوا کرتی ہے۔ اُس کی وہی حالت ہے جیسے دیبا نیا گرا پہرہ لہا ہوا اور عین اُس مقام پر پہنچنے والا ہو جہاں سے انتشار بن کر گزرتا ہے۔ اس بات کا احساس ہوتے ہوئے بھی وہ جیتی ہوئی چلی جاتی ہے اور کچھ پردہ نہیں کرتی۔ یہ حال ہے اُس وسطی تعلیم یافتہ طبقے کا جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں! اور جو اس سے بھی نیچے طبقے کے لوگ ہیں بھلا اُن کا کیا حال ہوگا؟ اُن لوگوں کا اللہ ہی مالک ہے۔ خراب اور خستہ حال ہیں! تباہی نے وقت سے پہلے انہیں آگھیرا ہے! ہم تو آہستہ آہستہ نیچے طبقے کو تعلیم دے رہے تھے اور ابھی اس کا اثر سب سے نیچے والے حصہ میں نہ پہنچا تھا کہ یہ آفت آگئی۔ سستی چھ چھڑ آنے والی کتا ہیں عوام کے لئے شائع ہو گئی تھیں۔ لوگ کچھ حضورؐ بہت کھاتے اور پھر فرصت کے وقت لائبریریوں میں چلے جاتے اور کچھ پڑھتے رہتے تھے۔ معمولی گارٹی بان کو ہی نے بیچنے آپ سے ہر معاملہ پر گفتگو کرے گا۔ سوچ بچار کرنے والے لوگ تو کم ہوا ہو کر رہے ہیں۔ پھر بھی لاکھوں کی تعدادیں پڑھے لکھے مل جائیں گے انہیں کیا؟ جو چاہتے کہیں۔ وہ تو مات کرنے میں امیروں سے

~ Niagra

لگا دکھاتے ہیں۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ عوام کے اندر اس قدر سمجھ کہاں تھی۔ اب تو لوگ بڑے چالاک ہو گئے ہیں۔

اب مزدوروں کے طبقے کو لیجئے۔ کیا وہ انقلاب لاسکیں گے؟ ہیں تو ٹڈی دل کی طرح بے تعداد؟ مگر اس میں نقص یہ ہے کہ سمجھ نہیں رکھتے ان کے لیڈر کچھ ایسے ویسے ہی ہیں رو کے ساتھ وہ بھی بہہ جاتے ہیں۔ جڈ مزدور اسی طرف ان کے لیڈر بھی چل دیتے ہیں۔ ان کی بھلی کبی! ہوتے تو مزدوروں کی نسبت ذرا سمجھدار ہیں۔ پڑھے لکھے بھی ہوتے ہیں مگر انکا زاویہ نگاہ تنگ ہوا کرتا ہے۔ اگر نظر فراخ بھی ہو تو سیاست کی انجمن میں پھنس جاتے ہیں۔ اس میں اُنہیں مزا آتا ہے۔ پھر نو بڑھنا لکھنا بھی بھول جاتے ہیں۔ الوداع کہہ دیتے ہیں۔ ذرا لائق ہوئے۔ آگے بڑھے۔ پہلے مزدور جماعت کے لیڈر بنے۔ وہاں سے پارلیمنٹ کے ممبر بن گئے۔ پھر کینڈیٹ کے ممبر بن گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ مگر ہیں بیوی ایسی نہ ہوتی جو لائق ہو۔ بل کر کام کرنا نہ سیکھا بھلا ایسے لوگ کس طرح کشتی میں داخل ہو سکتے ہیں! جو ذرا قابل ہوئے ان کا حال ویسا ہی ہوتا ہے جیسا اخبار نویسوں۔ استناد دہوں اور دیگر پرنٹریوں کا جن کے متعلق اوپر ذکر آیا ہے۔ بات سمجھتو جاتے ہیں۔ مگر جب موقعہ ہوتا ہے چلا گیا تو کیا فائدہ؟ کسی اور کو سمجھانہ سکے۔ کہیں گے "جناب نوح ملک! آپ اگلے صفے تشریف لائیے گا۔" جو آپ فرماتے ہیں وہ بہت ٹھیک ہے۔" مگر کہہ کر منہ پھیر لیں گے۔ اور طوفان آتا ہی ہوگا۔ وہ دیکھو کشتی تے سیٹی بیدی

Leader & Parliament & Cabinet

پلو اور لاط کو! کشتی پر سوار ہو جاؤ!
جب کشتی چل دے گی تو کہیں گے ہمارے لئے بھی جگہ رکھنا۔ ہم ابھی
اُسے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے! پانی چڑھ رہا ہے اور وہ لوگ تو تیرنا بھی نہیں
جانتے۔ کبھی سیکھا بھی تو نہیں! جیسے ہی کشتی چلی گئی لوگ ڈوبتے اور غوطے
کھاتے دکھائی دیئے!
نوح ملک کہنے لگا کہ کیا کشتی میں لوگوں کے بچانے کا سامان ساتھ رکھا
جا سکتا ہے؟

اب خدا بول اُٹھا۔ اگر آخری دم بھی کوئی توبہ کرے تو میں معاف کر
دیتا ہوں۔ مگر جب کشتی چل دی ہو تو توبہ کرنے سے کیا فائدہ؟ اُس وقت میں
مجبور ہو جاتا ہوں کہ سرداروں۔ یہ تو اچھا ہوا کہ ہم بچانے کا سامان ساتھ
نہ لائے۔ ورنہ لوگ تو بچنے کے لئے بھیڑ لگا دیتے! ویسے لوگ تو کشتی پر
سوار نہ ہو سکے! وہ دیکھو کس طرح بڑے بڑے عزت دار لوگ ڈوب
رہے ہیں!

راتے میں نوح ملک نیند سے بیدار ہوا۔ کہنے لگا یہ کیا معاملہ ہے؟
میں تو مطالعہ کے کمرے میں یادداشت لکھ رہا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا
ہوں کہ یہ کشتی کا کمرہ ہے۔ اور میں ایک کشتی میں سوار ہوں!

اجی حضرت! یہ تو کشتی کے کپتان کا کمرہ ہے۔ ہمیں اس کشتی میں سوار
ہوئے تیس روز ہو گئے۔ آپ تو یہوش ہی پڑے رہے اور اچھا ہوا کہ آپ کو

like betis

کچھ معلوم نہ ہوا۔ طوفان بڑا سخت تھا۔ سواریاں بہت نہ گھبراہٹیں۔ ہر شام کو کشتی پر خوب بحث مباحثہ جاری رہا۔ کچھ اتوار آپ نے جو وعظ کیا وہ نہایت ہی اچھا تھا۔ اُس کا موضوع ”آئے والایا مذہب“ تھا۔ کچھ دینوں سے مقابلہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ”یادین“ بڑا ہی زبردست ہوگا۔ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ انقلابِ عظیم ہونے والا ہے۔ اس پہلو پر تو آپ نے خوب روشنی ڈالی۔ اس میں تو شک نہیں کہ فی زمانہ سائینس نے بڑی ترقی کی ہے اور انسانی دماغ نے بڑا نشوونما پایا ہے۔۔۔۔۔

نوح ملک یہ سن کر کہنے لگا۔ کچھ کچھ مجھے یاد تو آتا ہے۔ کیا کشتی پر ہر اتوار کو وعظ بھی ہوا کرتا تھا اور میں وعظ کیا کرتا تھا! اچی حضرت! ہر کشتی پر ہر اتوار کے دن وعظ ہوا کرتا ہے۔ سمندر میں خشکی کی نسبت ہم خدا سے بالکل زیادہ نزدیک ہوتے ہیں کشتی والے تو اس بات کو خوب جانتے ہیں۔

نوح ملک نے دیکھا کہ سچے مچے خدا (بوڑھا شریف آدمی) پہلے کی نسبت بڑا ہی تندرست اور بیا وقار معلوم دیتا تھا۔ اس نے اُس سے پوچھا کہ آپ کا کشتی میں کیا کام ہے؟

خدا نے کہا کہ میں ہی تو کشتی کے ہر حصہ میں سمارا ہوں! نوح ملک چپ سا ہو گیا اور کہنے لگا۔ جانیے کچھ اور کام کیجئے۔ خدا نے کہا۔ اچھا جاتا ہوں۔ میں جا کر یا جا بجاتا ہوں۔ مجھے باجا بجانے کا بڑا ہی شوق ہے۔ کیوں حضرت! میں باجا بجاؤں!

نوٹ:- مصنف لکھتا ہے کہ ابھی کہانی ختم نہیں ہوئی۔ نہ معلوم آگے
کیا ہو۔.....

کشتی نوح کے مترجم کی تصانیف

(۱)

مذہبِ عالم

اس کتاب میں دنیا کے آٹھ بڑے مذاہب کے بارے میں نہایت عمدگی سے واقفیت بہم پہنچائی گئی ہے۔ چونکہ تعصب کی بنیاد مولے طور پر حقیقت سے لاعلمی ہے لہذا حقیقت سے باخبر ہونا ہر بشر کا فرض ہے۔ یہ کتاب خاص کر اسی مقصد کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کی فہرست مضامین مندرجہ ذیل ہے:-

- ۱۔ مذہب پر ایک نئی نظر (۲) مریدانِ عالم انسانی (۳) ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں (۴) بدھ دھرم اور جین مت (۵) زرتشتی یا پارسیوں کا دھرم (۶) چین اور جاپان کے دھرم (۷) یہودیوں کا مذہب (۸) عیسائی مذہب (۹) دین اسلام
 - ۱۰۔ بھائی مذہب (۱۱) مختلف مذاہب کی متبرک کتابیں (۱۲) مستقبل کا مذہب۔
- ۱۷۷ صفحے لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ قیمت بارہ آنے

محصولِ ڈاک بذمہ خریدار

(۲)

ہمارے مربی اور ان کی تعلیم

حقیقت ایک ہے صرف بیان کے طریقے مختلف ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے۔ بڑے بڑے مربیانِ عالم انسانی کی مختصر سوانح حیات اور تعلیم اس کتاب میں درج ہے۔ ”مذہبِ عالم“ کے پہلو پہ پہلو اس کا مطالعہ از بس مفید ہوگا۔

۱۳۵ صفحے۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب قیمت ۲۰ روپے آنے

محصول دُک پدمہ خریدار

ملنے کا پتہ:-

پروفیسر پریم سنگھ ایم اے ۳۹ ٹپل روڈ لاہور

مرہاتما گاندھی کا پیغام

طالب علموں کے نام

مترجمہ پروفیسر پریم سنگھ ایم۔ اے۔ لاہور

اس کتاب میں ان مضامین کا عام فہم اُردو ترجمہ کیا گیا ہے کہ جو مرہاتما گاندھی نے گزشتہ اٹھارہ برس کے عرصہ میں طلباء کے متعلق لکھے ہیں اور جنہیں آئندہ ہنگو رانی صاحب نے بڑی محنت سے فرائیم کے انگریزی میں شائع کیا۔ طالب علموں کے لئے خصوصاً اور دیگر تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے یہ کتاب پڑھنے لائق ہے۔

حجم ۲۴۴ صفحے قیمت ایک روپیہ علاوہ مصداک

ملنے کا پتہ

پروفیسر پریم سنگھ ایم۔ اے۔ ۹۳ ٹمپل روڈ لاہور

(پروفیسر پریم سنگھ نے امرت ایجوکیشن سوسائٹی لاہور میں نظام دھرم چند صاحب کو پی۔ ایس سی جیو کارڈ ۲۰۰۰ میں دیا ہے جس کی کاپی)